Musiqi Ki Shar'i Haythiyy

(Music in the Theology of Isl

موسیقی کی شرعی حیثیت

by

مصنفہ

حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالی

Sayyid Nasir Shah and

Rafi'u'l-lah

ترجمہ و تہذیب

سید نصیر شاہ ——— رفیع اللہ ایم۔اے

pp. 152 1964 P. Rs. 2.00

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

طبع اوّل : ۱۹۶۴ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : ادارۂ ثقافت اسلامیہ
کلب روڈ ۔ لاہور

مطبوعہ : دین محمدی پریس لاہور

دیباچہ

موسیقی کے متعلق ہمارے معاشرہ میں عجیب غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بعض لوگ تو اسے شجرِ ممنوعہ ہی سمجھتے ہیں اور ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موسیقی کے نام سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ پہلا طبقہ اپنے آپ کو شریعت کا علمبردار کہتا ہے اس لیے اس کے نظریات کو خدا اور رسول کے احکام سمجھا جاتا ہے اور دوسرا طبقہ اپنے آپ کو آرٹ کا سرپرست کہتا ہے۔ اس لیے اس کے خیالات کو آرٹ کا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ضروری معلوم ہوا کہ موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے تاکہ افراط اور تفریط کے امتیازی خطوط واضح ہو جائیں اور لوگ صحیح رائے قائم کر سکیں۔ اس ضرورت کو امام غزالی نے پورا کر دیا تھا اس لیے ہم نے اپنی طرف سے کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا اور اسی مضمون کو اردو میں منتقل کر دیا۔

بعض حواشی عراق کے مشہور فاضل علامہ زین ابو الفضل عبدالرحیم بن حسین سے نقل کیے گئے ہیں اور بعض ہم نے اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ مقدمہ میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کے نام حاشیہ پر لکھے گئے ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جن کی کتابوں سے ہمیں مدد ملی ہے۔ خاص طور پر ہم مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی ندوی کے شکرگزار ہیں جن کی بے مثال تصنیف "اسلام اور موسیقی" سے ہم نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ مذکورہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بہت ہی سنجیدہ کوشش ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اُسے پڑھے بغیر اس کے خلاف لکھنا اور بولنا شروع کر دیا۔

ہم آخر میں یہ بھی عرض کیے دیتے ہیں کہ ہم بھی فحاشی کے اس طوفان کے سخت مخالف ہیں جو ریڈیو سے سیلِ ترنم بن کر بہتا ہے یا فلمی ریکارڈوں سے موسیقی کے ہر دیپ میں اُبھرتا ہے اور معاشرہ میں اخلاقی کوڑھ کے ملعون جراثیم بکھیرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس سے فی نفسہٖ موسیقی حرام

نہیں ہو جاتی ہے کیونکہ عریانی اور بے حیائی کی یہ ناپاک تعلیم بغیر گائے ہوئے دی جائے تب بھی حرام اور قابلِ نفرت ہے۔ اسے روکنے کے لیے علماء کو متحدہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ سرے سے موسیقی کو ہی حرام قرار دے کر اُن تمام صحابہ و تابعین کی توہین کی جائے جنھوں نے سماع کو جائز سمجھا ہے۔

فہرست مشمولات

مقدمہ

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ حجۃ الاسلام امام غزالی کی معروف تصنیف "احیاء علوم الدین" کے ایک باب وجد و سماع کا ترجمہ ہے۔ امام صاحب کے نامِ نامی اور ان کی ذاتِ گرامی سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ناواقف ہو۔ امام غزالی پہلے متکلم ہیں جنہوں نے فلسفہ کے رد میں مستقل کتاب لکھی ان سے پیشتر فقہاء و محدثین فلسفہ و منطق سے نفرت کرتے تھے اسی لیے ان لوگوں میں اتنی صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ یونانی فلسفہ کے اس سیلاب کا مقابلہ کر سکتے جو چاروں طرف سے امڈ امڈ کر آرہا تھا اور حصارِ اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اسی سیلاب میں اتر کر ہی اس کا رُخ پھیرنے کی کوشش کی جاتی مگر جو لوگ "جوہر" اور "عرض" کا نام سن کر ہی لاحول پڑھتے ہوئے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے وہ یونانی منطق کا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے۔ اس ضرورت کو معتزلہ نے پورا کیا اور ان کے بعد اشعریہ نے بھی اپنے طور پر کوشش کی آخر امام غزالی نے (جو ابتدا میں اشعریہ مذہب کے بہت بڑے حامی تھے) منطق کو سیکھنا فرضِ کفایہ[1] قرار دیا اور فلسفہ کا تجزیہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس کے محض چند مسائل مذہب کے مطابق ہیں اور باقی تمام خلافِ اسلام ہیں۔ یہ انہی کا تجویز کردہ نصابِ تعلیم تھا جس نے بالآخر امام رازی، شیخ الاشراق، علامہ آمدی اور شیخ عبدالکریم شہرستانی جیسی عظیم القدر ہستیوں

---

(۱) امام صاحب کے نظریہ سے استفادہ کرتے ہوئے ہمارے زمانہ میں مغربی فلسفہ کی تحصیل فرضِ کفایہ ہونی چاہیے تھی مگر ہمارے علماء منطق کی اسی کیڑے کھائی لاش کو ابھی تک سینوں سے چمٹائے پھرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ روز بروز مذہب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

کو جنم دیا۔

زیرِ نظر کتاب میں انہوں نے موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا اندازہ آپ کتاب پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہتے ہم نے تو محض اس لیے قلم اٹھایا ہے کہ اس کتاب میں بعض مقامات جو مصنف رحمۃ اللہ نے اجمالاً بیان کیے ہیں ان کی تفصیل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے ان احادیث کو لیں گے جنہیں حرمتِ موسیقی کے قائلین اپنی دلیل میں پیش کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان روایات سے متعلق ائمہ و علماء کے اقوال بھی نقل کرتے جائیں گے۔

موسیقی کی حرمت کے دلائل اور ان کا تجزیہ

عن عبد الرحمٰن بن غنم قال حدثنی ابو عامر او ابو مالک الاشعری سمع النبیؐ لیکونن من امتی قوم یستحلون الحر والحریر والمعازف۔ اخرجہ البخاری۔ وفی لفظ لیشربن الناس من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا یعزف علیٰ رؤوسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر۔ رواہ ابن ماجہ۔

عبد الرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک نے بتایا کہ نبیؐ نے کہا یقیناً میری اُمّت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔ (یہ بخاری کی روایت ہے اور ایک روایت میں ہے) کہ میری اُمّت کے لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے اُن کے سامنے گایا بجایا جائے (اللہ . . . . .) اور انہیں بندر اور سؤر بنا دے گا اسے ابن ماجہ نے روایت کیا

بخاری کی پوری روایت یوں ہے

لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحرۃ

میری اُمّت میں کچھ لوگ ایسے ہو کر رہیں گے جو

۱۔ نیل الاوطار جلد ۸ باب "ماجاء فی آلۃ اللھو" ص ۹۶

والحرير والخمر والمعازف ولينزلن اقوام الى جنب علم تروح عليهم سارحة لهم فيأتيهم رجل لحاجة فيقولون ارجع الينا غدا فيبيتهم الله ويضع العلم ويمسخ آخرين قردة و خنازير الى يوم القيامة۔

. . . .

زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے کچھ لوگ ایک پہاڑ کے دامن میں اُتریں گے جہاں مویشی چر کر شام کو آئیں گے ان کے پاس ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کے لیے آئے گا وہ اسے کہیں گے آج چلا جا کل ہمارے پاس آنا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں شب کو سلا دے گا اور پہاڑ کو وہاں سے ہٹا دے گا اور دوسروں کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے سؤر اور بندر بنا دے گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کی اس کی اسناد میں ایک راوی صدقہ بن خالد ہے۔ ابن جنید نے اس کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ "وہ کوئی چیز نہیں" مزی نے احمد کا یہ قول نقل کیا کہ "وہ صحیح روایت نہیں کرتا۔" دوسرے یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔ سند کا اضطراب یہ ہے کہ راوی کو صحابی کا نام یاد نہیں۔ اسے شک ہے کہ یہ روایت ابو عامر سے ہے یا ابو مالک اشعری سے۔ اور متن کا اضطراب یہ ہے کہ کہیں "یستحلون" کے الفاظ ہیں اور کہیں کچھ اور۔[1] ان چیزوں سے قطع نظر ذرا روایت کے اگلے حصہ پر بھی غور کیجیے جس میں کہا گیا ہے کہ "ایک قوم پہاڑ کے دامن میں آئے گی ان کے مویشی چر کر واپس آئیں گے ایک آدمی ان کے پاس کوئی حاجت لے کر آئے گا وہ کہیں گے کل آنا پھر وہ سو جائیں گے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا اور دوسرے قیامت کے لیے سؤر اور بندر بنا دیے جائیں گے۔"

اگر فی الواقع موسیقی اس حد تک حرام تھی تو اس کے بعد کے تمام واقعات کو پورا ہونا

۱۔ نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۴

چاہیے تھا۔ مگر وہ کونسا پہاڑ ہے جو اپنی جگہ سے ٹل گیا اور وہ کونسے لوگ تھے جو سور اور بندر بن گئے۔ اگر ان کی تاویلیں کی جائیں تو موسیقی کی حرمت کی تاویل بھی کی جاسکتی ہے۔ نہیں تو روایت بالبداہت غلط تسلیم کی جانی چاہیے۔

اگر اس روایت کو بالکل صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی موسیقی کی حرمت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ موسیقی کے ساتھ شراب کا ذکر آیا ہے۔ پس موسیقی فی نفسہ حرام نہ ہوگی بلکہ اس کی حرمت شراب کی حرمت کے تابع ہوگی۔ جس طرح ہم کہتے ہیں "فلاں آدمی شراب و کباب میں زندگی تباہ کر رہا ہے۔" اس فقرہ میں شراب کی برائی تو عیاں ہے لیکن کباب بذاتِ خود کوئی حرام چیز نہیں۔ ہاں جب اس کا ذکر شراب کے ساتھ آتا ہے تو اُسے برا سمجھا جاتا ہے۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

یحتمل ان تکون المعازف المنصوص علیٰ تحریمھا ھی المقترنۃ بشرب الخمر کما ثبت بروایتہ فی لفظ "لیشربن الناس من امتی الخمر تروح علیھم القیان وتغدو علیھم المعازف"[1]

ہو سکتا ہے کہ جن باجوں کو حرام کیا گیا وہ وہی باجے ہوں جو شراب نوشی کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے شام کو ان کے پاس گانے والی لونڈیاں آئیں گی اور دن کو باجے بجیں گے۔

نواب صدیق حسن خاں بھی یہی کہتے ہیں

"اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نبی صلعم دف بجانے پر خاموش رہے۔ خود اسے سُنا اور منع نہ فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں اس امر کا احتمال موجود ہے کہ جن باجوں کو حرام کیا گیا ہے یہ وہی باجے ہوں جو شراب نوشی سے

۱۔ نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۰۳

پیوستہ ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

یشربن من امتی الخمر تروح علیہ القیان وتغدو علیھم المعازف۔

میری امت میں کچھ لوگ شراب پیئیں گے شام کو ان کے پاس گانے والے غلام لونڈیاں آئیں گے اور دن کو باجے بجیں گے۔"

اس روایت میں اس کا احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد مجموعہ پر حکم لگانا ہو پس جو حکم مجموعہ پر ہو گا وہ الگ الگ ہر چیز پر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو مسلمہ اصول ہے کہ چند ترتیب وار بیان کردہ چیزوں کی مجموعی وعید اس مجموعہ کی کسی ایک چیز کی وعید کی دلیل نہیں ہو گی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن کی یہ آیات ہیں

خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعاً فاسلکوہ انہ کان لایومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین

اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو پھر اسے جہنم میں لے جاؤ پھر ستر گز کے حلقہ والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اور مسکین کو کھلانے پر کسی کو ترغیب نہیں دیتا تھا۔

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض "مسکین کو کھلانے پر ترغیب نہ دینا" نہیں ہے اور نہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا کوئی حرام فعل ہے۔"[1]

اصل یہ ہے کہ اس روایت میں دو حرام چیزوں یعنی زنا اور شراب کا ذکر ہے اور دو ایسی چیزوں کا جو بعض مواقع پر حلال اور بعض مواقع پر حرام ہیں۔ یعنی ریشم اور باجے۔ ریشم کے متعلق ایک روایت نقل کر کے داؤدی لکھتے ہیں

لیس بمحفوظ لان کثیراً من الصحابۃ لبسوہ"[2]

یہ روایت محفوظ نہیں کیونکہ بہت سے صحابہ ریشم پہنتے تھے

۱۔ دلیل الطالب علی ارجح المطالب

۲۔ نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۷

اس کے بعد علامہ شوکانی نے ابن العربی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

فالا قوی حلہ ولیس فیہ وعید ولا عقوبۃ بالاجماع[1]

(ریشم) کی حلت کا قول قوی ہے اور اسے پہننے میں نہ وعید ہے نہ سزا اسی پر اجماع ہے۔

بعض حالات میں ریشم پہننے کی رخصت تو عام طور پر ثابت ہے

رخص رسول اللہ صلعم للزبیر وعبد الرحمٰن بن عوف فی لبس الحریر لحکۃ بھما۔[2]

نبیؐ نے زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دونوں کو خارش تھی۔

تھوڑے سے ریشم کے لیے تو عام اجازت ہے

نھی النبی صلعم عن لبس الحریر الا فی موضع اصبعین او ثلث او اربع۔[3]

نبی صلعم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا البتہ دو سے چار انگل تک ریشم کا استعمال جائز ہے۔

اب ایک اور روایت کو لیجیے جسے حرمت کے قائلین اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں

عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلعم قال ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء وکل مسکر حرام رواہ احمد وابو داؤد وفی لفظ: ان اللہ حرم علی امتی الخمر والمیسر والمزر والکوبۃ والقنین (رواہ احمد)

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا اللہ نے شراب، جوا، طبل اور طنبورہ حرام ٹھہرایا ہے اور تمام نشہ والی چیزیں حرام ہیں۔ اسے احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ نے میری امت پر شراب، جوا، جو کی نبیذ، روم کے جواریوں کی بساط یا حبشیوں کا طنبور اور طبل حرام کیا اسے احمد نے روایت کیا

---

۱ - نیل الاوطار، ج ۲، ص ۹۷

۲ - رواہ الستۃ

۳ - رواہ الستۃ

اس روایت کا بھی چند طریقوں سے جواب دیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی اسناد کو لیجیے علامہ شوکانی لکھتے ہیں

سکت عنہ الحافظ فی التلخیص وفی اسنادہ الولید بن عبدۃ الراوی لہ عن بن عمر۔ قال ابوحاتم الرازی ھو مجھول وقال المنذری ان الحدیث معلول[۱]	حافظ نے تلخیص میں اس روایت کے متعلق سکوت اختیار کیا اور اس کی اسناد میں الولید بن عبدہ ایک راوی ہے جو ابن عمر سے روایت کرتا ہے ابوحاتم الرازی نے کہا کہ وہ مجہول الحال ہے منذری نے کہا یہ حدیث معلول ہے

اس روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ موسیقی بذاتِ خود حرام ہے کیونکہ یہاں بھی پچھلی روایات کی طرح موسیقی کو شراب وغیرہ جیسی حرام چیزوں کے مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔ پس اس کا حکم موسیقی پر مرتب نہ ہوگا کیونکہ مباح اگر حرام کی تمہید بن جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات نے غنا و مزامیر کی حرمت میں اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے

قال صلعم ان اللہ عزوجل بعثنی رحمۃ وھدی للعلمین وامرنی ان امحق المزامیر والکفارات یعنی البرابط والمعازف والاوثان التی کانت تعبد فی الجاھلیۃ۔[۲]	نبی صلعم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں سازوں اور کفاروں یعنی بربطوں اور باجوں اور جاہلیت میں پوجے جانے والے بتوں کو توڑ دوں۔

یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے اور ادنیٰ سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہی روایت ابوداؤد طیالسی

۱۔ نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۷

۲۔ مسند احمد

نے بھی نقل کی ہے۔ روایت میں ایک شخص علی بن یزید ہے ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے۔[1]

تہذیب التہذیب میں ہے کہ

قال حرب عن احمد هو دمشقی کانه ضعفه[2]

حرب نے کہا "وہ دمشقی ہی تو ہے" اور انھوں نے اس انداز سے یہ فقرہ کہا جیسے وہ اسے ضعیف بتا رہے ہوں

اسی کتاب میں ایک اور قول بھی ہے

قال یحیی بن معین علی بن یزید واهی الحدیث کثیر المنکرات[3]

یحیی بن معین نے کہا "علی بن یزید کی حدیث ناقابل اعتبار ہے وہ اکثر منکر حدیثیں بیان کرتا ہے

امام بخاری کا قول بھی سُن لیجیے:

قال البخاری منکر الحدیث ضعیف[4]

امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث اور ضعیف ہے

امام ترمذی کا قول بھی نقل کیا گیا ہے:

قال الترمذی ضعیف فی الحدیث[5]

ترمذی نے کہا وہ حدیث میں ضعیف ہے

امام نسائی نے کہا

"لیس بثقة"

وہ ثقہ نہیں ہے

۱۔ تقریب التہذیب

۲۔ تہذیب التہذیب

۳۔ ایضاً

۴۔ تہذیب التہذیب

۵۔ ایضاً

ابن حجر کہتے ہیں "یہ روایت ضعیف ہے"[1]۔

یہ تو تھا علی بن یزید کا حال۔ اب اس روایت کے ایک اور راوی فرج بن فضالہ کی حالت سنیئے:

قال بن خثیمہ عن ابن معین ضعیف الحدیث[2]	ابن ابی خثیمہ نے ابن معین کا قول بیان کیا کہ وہ اسے ضعیف الحدیث کہتے ہیں
قال البخاری ومسلم منکر الحدیث۔	بخاری ومسلم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے

خود ہی سوچیے کہ جس روایت میں ایک نہیں بلکہ دو راوی ضعیف ہوں اسے دلیل بنا کر موسیقی کی حرمت کا فتویٰ دینا کس حد تک درست ہے۔ اور آگے بڑھیے اس روایت کا ایک راوی عبید اللہ بن زحر ہے جو علی بن یزید سے روایت کرتا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ:

قال ابو مسھر انہ صاحب کل معضلۃ وقال بن معین ضعیف وقال مرۃ لیس لشیء وقال ابن المدینی منکر الحدیث وقال الدار قطنی لیس بالقوی وقال ابن حبان روی موضوعات عن الاثبات واذا روی عن علی بن یزید اتی بالطامات[4]۔	ابو مسھر نے کہا کہ اس کی تمام روایتیں معضل ہوتی ہیں ابن معین نے کہا وہ ضعیف ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ وہ کوئی چیز نہیں ابن المدینی اسے منکر الحدیث کہتے ہیں دار قطنی نے کہا وہ قوی نہیں اور ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقہ آدمیوں کا نام لیکر موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا اور جب وہ علی بن یزید سے روایت کرتا تھا تو وہ اور زیادہ موضوع ہوتی تھیں۔

---

۱ - کف الرعاع

۲ - تہذیب التہذیب

۳ - ایضاً

۴ - نیل الاوطار، ج ۸، ص ۹۹ - ۱۰۰

یہ روایت بھی دلیل میں پیش کی جاتی ہے:

الغناء ینبت النفاق فی القلب ۔ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

بعض نے اسے رسول خدا تک مرفوع کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔

احیاء علوم الدین کے مشہور شارح سید مرتضیٰ زبیدی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے اس روایت کو نبی صلعم کا قول قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ابوداؤد نے جس سند سے یہ روایت بیان کی ہے اس میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کا نام تک نہیں لیا گیا۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے یعنی ایک روایت میں اسے رسول صلعم کا قول بتایا ہے اور دوسری روایت میں صحابی کا۔ میں کہتا ہوں کہ اسے مختلف طریقوں سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے لیکن یہ تمام طریقے ضعیف ہیں۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعود کا قول ہے نبی صلعم کا قول نہیں۔ نیز اس کے طرق میں بعض راوی مجہول الحال ہیں۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔ زرکشی کا بھی یہی خیال ہے۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ اسے ثقہ لوگوں (شعبہ عن مغیرہ عن ابراہیم) نے روایت کیا ہے اور ابراہیم سے آگے کسی کا نام نہیں لیا۔ لہٰذا یہ ابراہیم کا قول ہے۔ ابن ابی الدنیا ملاہی کی مذمت کے سلسلہ میں اسی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم کا قول نہیں بلکہ بات یوں ہے کہ ابراہیم کہتے تھے کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ "گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے"۔ میں کہتا ہوں یہ نہ تو ابراہیمؒ کا قول ہے اور نہ کسی ایسے آدمی کا جس سے ابن ابی الدنیا نے مرفوعاً روایت کیا ہو۔ ابن عدیؒ اور دیلمی نے ابوہریرہ سے اور بیہقی نے جابر سے یہ مضمون یوں روایت کیا ہے کہ گانا قلب میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی پیدا کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس

میں ایک راوی علی بن حماد ہے جسے دار قطنی نے متروک قرار دیا ہے۔ دوسرا راوی ابن ابی رواد ہے جسے ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن جنید کہتے ہیں کہ "ابن ابی رواد تو ایک ٹکے کا بھی نہیں اور ابراہیم بن طہمانی مختلف فیہ ہے"[1]۔

ابو طالب مکی بھی اسے ابراہیم کا قول قرار دیتے ہیں:

ان حماد روی عن ابراھیم الغنا ینبت النفاق فی القلب"[2]۔	حماد نے ابراہیم کی زبانی بیان کیا کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

ابن طاہر کہتے ہیں

اصح الاسانید فی ذالک انہ من قول ابراھیم"[3]۔	صحیح ترین سند سے جو بات ثابت ہے وہ یہی ہے کہ یہ ابراہیم کا قول ہے

امام سخاوی فرماتے ہیں:

لا یصح کما قالہ النووی"[4]۔	نووی کے قول کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں

قائلین حرمت ترمذی کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

فانہ علیہ السلام نھیٰ عن الصوتین الاحمقین النائحۃ المغنیۃ۔	نبی صلعم نے دو احمق آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نوحہ کرنے والی دوسری گانے والی

صاحب ہدایہ نے کتاب الشہادۃ، کتاب الاجارہ، کتاب الضمان والغصب اور کتاب الکراہیہ میں موسیقی کی حرمت کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کسی جگہ کوئی صحیح یا حسن حدیث ثبوت میں

۱۔ شرح احیاء علوم الدین، ج ۶، ص ۴۶۶

۲۔ قوت القلوب، ص ۶۲

۳۔ التلخیص الجبیر ص ۴۰۸

۴۔ مقاصد حسنہ، ص ۳۹۱

پیش نہیں کی۔ صرف کتاب الشہادۃ میں ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے متعلق محدثین کا فیصلہ سنیے:

قال النووی فی الخلاصۃ ومحمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف، ولعلہ اعتضد۔[1]

امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ اس کا راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے ممکن ہے کوئی دوسری روایت اس کی معاضد نہ ہو۔

سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں "اسی طرح کی دوسری روایات میں بھی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ موجود ہے جو فقیہ و قاضی ہونے کے باوجود روایتِ حدیث میں ضعیف ہے"[2]۔

مشہور محدث کمال الدین اوفوی کہتے ہیں:

ان محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قد انکر علیہ ھٰذا الحدیث وضعف لاجلہ وقال ابن حبان انہ کان ردیٔ الحفظ کثیرا لوھم فاحش الخطاء استحق الترک لو ترکہ احمد وقال انہ سیٔ الحفظ مضطرب الحدیث[3]

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی اس حدیث کا انکار کیا گیا ہے اور اسے ضعیف کہا گیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کا حافظہ بہت ردی تھا وہم بہت ہوتا تھا فاحش غلطیاں کرتا تھا۔ وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اسی لیے احمد بن حنبل نے انھیں ترک کیا اور کہا کہ اس کا حافظہ ناقابل اعتبار ہے اور اس کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔

\+ \+ \+

۱۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی المحدث الحنفی ص ۲۱۱

۲۔ تحفۃ المحبین لسید مرتضیٰ زبیدی حنفی

۳۔ امتاع ص ۲۸ حدیث خامس

حرمت موسیقی پر کوئی روایت صحیح نہیں

طوالت کے خوف سے ہم باقی تمام روایات کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے متعلق محدثین وفضلاء کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وقد وضع جماعة من اهل العلم	اہل علم کی ایک جماعت نے حرمتِ سماع پر تصانیف
فی ذالک مصنفات ولکنہ ضعفها	کی ہیں لیکن دوسرے اہل علم نے ان کی تضعیف
جمیعا بعض اهل العلم حتی قال	کی ہے۔ حتیٰ کہ ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمتِ سماع
ابن حزم انه لا یصح فی الباب	کے متعلق ایک حدیث بھی صحیح نہیں اس بارے
حدیث ابدا وکل ما فیه فموضوع[1]	میں جو کچھ بھی ہے وہ سب موضوع ہے۔

علامہ شوکانی کی ایک اور کتاب ہے "ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع" ہے۔ کتاب کے نام سے ہی اس کا مضمون ظاہر ہے۔ اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"سماع و مزامیر کی حرمت کے متعلق بہت سی روایات ہیں جن کو بعض علماء مثلاً ابن حزم ابن طاہر، ابن ابی الدنیا، ابن حمدان اربلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی کتابوں میں یکجا کیا ہے ان میں زیادہ تر روایات وہ ہیں جو آلاتِ لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں ان تمام احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے جو غناء کو جائز کہتے ہیں چنانچہ کمال الدین اوفوی اپنی کتاب الامتناع میں کہتے ہیں کہ ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ، شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جو حرمتِ غناء کے بارے وارد ہوئی ہیں۔ ان روایات کو ائمہ اربعہ داؤد ظاہری اور سفیان ثوری میں سے کسی نے حجت تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ یہ لوگ مجتہدین کے سرخیل ہیں۔ اور ان کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابوبکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان روایات کا ذکر کر کے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ

۱۔ نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۰۰

کہتے ہیں کہ غنا اور مزامیر کی حرمت کے متعلق جس قدر روایات ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ ابن طاہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان روایات کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں۔ علاؤ الدین قونوی اپنی "شرح تعرف" میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس بارہ میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں اگر کوئی حدیث صحیح ہوتی تو ہم سب سے پہلے اسی کو مانتے لیکن حالت یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی روایات موجود ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں پھر ابن حزم نے اس بات پر قسم بھی کھائی[۱]۔"

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"مغرب کے مفتی علامہ ابوالقاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی رسالہ ابوزید کی شرح میں علامہ فاکہانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "مجھے گانے بجانے کی حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی نہ سنتِ رسول میں کوئی صحیح و صریح اور قطعی حدیث نظر آئی[۲]۔"

اسی طرح سید جمال الدین محدث حنفی، فخر الدین زراوی حنفی اور غلام مصطفیٰ تھانیسری حنفی نے غنا اور مزامیر کے جواز پر مستقل رسالے لکھے ہیں اور حرمتِ موسیقی کی تمام روایات کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے[۳]۔ علامہ جمال الدین لکھتے ہیں:

"چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہاء سماع کی حرمت کی دلیل لاتے ہیں مثلاً ۱۔ استماع الملاهی حرام والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر موسیقی سننا حرام ہے اس کی مجلس میں بیٹھنا

۱۔ ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع ص ۴۰، ۴۱

۲۔ دلیل الطالب علی ارجح المطالب

۳۔ ان کے علاوہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی شارح احیاء علوم الدین مولانا نور اللہ بجھرانوی صاحب نغمۂ عشاق اور مولانا قاضی عبدالرحیم حنفی گجراتی شارح "خطبۂ قاموس" بھی حرمتِ موسیقی کی تمام روایات کو ضعیف اور ناقابلِ حجت قرار دیتے ہیں (بحوالہ اسلام اور موسیقی مصنفہ مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی)

فسق ہے اور اس سے لطف لینا کفر ہے)۔ یا ما من رجل یسمع الملاھی الا بعث علیٰ منکبیہ شیطانین یضربان باعقابھما علی صدرہ حتی یمسک (جو آدمی بھی موسیقی سنتا ہے اللہ اس کے دونوں کندھوں پر شیطان بٹھا دیتا ہے جو اپنی ایڑیاں اس کے سینے پر مارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے) وغیرہ تو ان کے متعلق امام نووی لکھتے ہیں کہ "حرمتِ غنا کے متعلق ایسی کوئی روایت بھی صحیح نہیں"۔ امام سخاوی نے بھی "مقاصد حسنہ" میں ان احادیث کے متعلق جو زبان زد عوام ہیں فرماتے ہیں کہ "بعض فقہاء نے حرمتِ غنا کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ ان کی کوئی اصل نہیں"۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں "حرمتِ غنا کے متعلق جن روایات سے بعض متاخرین نے استدلال کیا ہے وہ ثابت نہیں اور ان کی کوئی اصلیت نہیں کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے صحیح، حسن تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے غنا کی حرمت ثابت ہو۔ جن حدیثوں سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں وہ سب موضوع ہیں جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ ایسی حدیثوں کو نہ ابو حنیفہؒ نے لیا نہ شافعیؒ نے نہ مالکؒ نے قبول کیا نہ احمد بن حنبلؒ نے۔ بلکہ جن دوسرے مذاہب فقہ کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے بھی ایسی روایات سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت بعد کے ہیں۔ بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں۔ اور ان پر احادیث کی صحت و سقم پرکھ سکنے کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا ابو بکر بن العربی ایسی تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حرمتِ غنا کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں۔ جن احادیث سے فقہاء تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی یہی فرماتے ہیں بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمتِ غنا کی روایات صرف منکرین کی کتابوں میں ملتی ہیں"۔[1]

۱۔ رسالہ جواز سماع مصنفہ سید جمال الدین محدث حنفی تلمیذ امام جزری صاحب روضۃ الاحباب بحوالہ "اسلام اور موسیقی" مصنفہ مولانا جعفر شاہ صاحب ندوی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں:

"سماع کے بارے میں علماء کی آراء مختلف فیہ ہیں۔ ان میں سے بعض تحریم کے قائل ہیں، لیکن محققین اس تحریم کو اس بات پر محمول کرتے ہیں جب اس کے سننے سے حماقت، نفاق وغیرہ بیماریاں پیدا ہوں۔ امام ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی محدث نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے اور ان لوگوں کے دلائل کی تردید کی ہے جو اسے حرام ٹھہراتے ہیں بلکہ اس حدیث پر بھی جرح کی ہے جس سے حرمت مزامیر و غنا کا وہم پیدا ہو سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں ان محدثین کا ذکر بھی کیا ہے جنھوں نے حرمت کے قائل لوگوں پر جرح کی ہے پھر صحیح احادیث سے گانے، بانسری، دف اور ستار وغیرہ کا جواز ثابت کیا ہے بلکہ دف کو تو سنت بتایا ہے"[1]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"محدثین تو کہتے ہیں کہ حرمتِ غنا کے متعلق ایک حدیث بھی صحیح نہیں اور مشائخ کہتے ہیں جہاں اس کی ممانعت آئی بھی ہے تو وہ وہی غنا ہے جو لہو و لعب سے وابستہ ہو فقہاء نے اس مسئلہ میں بڑے تشدد سے کام لیا ہے"[2]۔

پھر مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"ایک مسلک تو فقہاء کا ہے جو غنا و مزامیر کے سخت منکر ہیں اور اس معاملہ میں تعصب اور عناد کا انداز اختیار کرتے ہیں بلکہ اس فعل کو گناہِ کبیرہ اور اس کے جواز کے عقیدہ کو کفر، زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہاء کا یہ طرزِ عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے۔ دوسرا مسلک محدثین کا ہے جو کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا نصِ صریح موجود نہیں اور جو کچھ ہے تو وہ یا موضوع ہے یا ضعیف"[3]۔

۱۔ لطائف ج ۲ ص ۱۰۶

۲۔ اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۹

۳۔ مدارج النبوۃ ج اول ص ۲۴۵

شیخ صاحب نے مسئلہ سماع پر بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں:

"ایسی تمام روایات و آثار سے مراد اسی غناء کی حرمت ہے جس کا گانا یا سننا لہو و لعب کے طریقہ پر ہو اور غلط طریقہ پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف لے جائے دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے یہی تطبیق ہو سکتی ہے ویسے محدثین کو ان احادیث کی صحت میں بھی کلام ہے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں اور اس باب میں ان کا یہی قول معتبر ہے۔"[1]

۱۔ "رسالہ قرع الاسماع فی بیان احوال القوم واقوالہم فی السماع"

جوازِ موسیقی کے دلائل

قائلین حرمت کے دلائل کی تردید کے بعد ہم ان روایات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن سے موسیقی کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

موسیقی کے جواز میں یہ روایات بہت واضح اور مستند ہیں اور ان کو علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی شرح "احیاء علوم الدین" میں نقل کیا ہے:

جاء النبی صلعم فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی اذ قالت احداھن "وفینا نبی یعلم ما فی غد" فقال صلعم دعی ھذا وقولی التی کنت تقولین[1]

ربیع بنت معوذ کہتی ہیں جب میری رخصتی ہوئی تو نبی صلعم تشریف لائے اور اس طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہوا تتے ہیں ہماری کچھ باندیوں نے دف پر گا گا کر میرے مقتول آباؤ اجداد کا ندبہ کیا۔ ان میں سے ایک نے ایک مصرعہ یوں کہہ دیا "ہم میں ایک نبی ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے" آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔

یہی روایت ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے بھی بیان کی ہے۔ ابن ماجہ میں یہ الفاظ زائد ہیں:

کنا بالمدینہ یوم عاشوراء والجواری

ہم عاشورہ کے روز مدینہ میں تھے اور کچھ لڑکیاں

۱۔ بخاری باب الضرب بالدف فی النکاح

یضربن بالدف ویغنین فدخلنا علی الربیع بنت معوذ فذکرنا ذالک لھا فقالت	دف پر گا رہی تھیں۔ پھر ہم ربیع بنت معوذ کے پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اپنا یہی واقعہ بیان کیا۔

اس روایت میں دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے اور مدبہ میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو شہید ہو گئے تھے نیز نبی صلعم کا یہ قول بھی ہے کہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ (کل ہونے والی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔

اس روایت سے یہ امور پایۂ ثبوت کو پہنچے کہ نبی صلعم نے شادی کے موقع پر دف کے ساتھ لڑکیوں کا گانا سنا جب وہ غلط کہنے لگیں تو آپؐ نے اس غلطی کی اصلاح فرمائی اور پہلے کی طرح کہتے رہنے کی اجازت دی۔

۲۔ بخاری میں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:

زفت امرأۃ برجل من الانصار فقال النبی صلعم یا عائشہ ما کان معکم من لھو فان الانصار یعجبھم اللھو۔	عائشہ صدیقہؓ نے ایک عورت کی ایک انصاری سے شادی کی جب رخصت کیا تو نبی صلعم نے فرمایا: "اے عائشہ تم لوگوں کے ساتھ کوئی لہو نہ تھا حالانکہ لہو کو انصار پسند کرتے ہیں۔"

اس روایت سے ظاہر ہے اگر لہو حرام ہوتا تو نبی صلعم انصار کے لہو سے دلچسپی لینے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے پس ثابت ہوا کہ لہو مباح بھی ہے۔

۳۔ ابن ماجہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر ببعض ازقۃ المدینۃ فاذا ھو بجوار یضربن بدفھن ویغنین ویقلن نحن جوار من بنی نجار ـــــ	رسول خدا صلعم مدینے کی ایک گلی سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی ہیں" ہم سب بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ خوشا نصیب کہ آج محمد صلعم ہمارے پڑوسی ہوئے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا

یا حبذا احمد من جار فقال النبی صلعم اللہ یعلم انی اللہ جانتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔
لاحبکن =

یہ روایت بھی اپنے مفہوم میں صاف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان کے گانے بجانے کو پسند فرمایا۔

۴۔ نسائی سائب بن یزید سے اور طبرانی جید سے روایت کرتے ہیں:

ان امرأۃ جاءت الی رسول اللہ صلعم فقال یا عائشہ اتعرفین ھذہ قالت لا یا نبی اللہ حدثنا قال ھذہ قینۃ بنی فلان تحبین ان تغنیک فغنتھا فقال النبی صلعم قد نفخ الشیطان فی منخریھا۔

ایک عورت نبی کے پاس آئی آپؐ نے پوچھا "عائشہؓ کیا تم اسے پہچانتی ہو" عائشہ نے کہا آپؐ بتایئے میں تو نہیں پہچانتی" فرمایا "یہ فلاں قبیلے کی مغنیہ ہے کیا تم اس کا گانا سننا پسند کرو گی" اس کے بعد اس نے عائشہ صدیقہ کو گانا سنایا آپؐ نے فرمایا یہ تو غضب کی گانے والی ہے۔

نفخ الشیطان فی منخریھا کے عام طور پر یہ معانی لیے جاتے ہیں کہ "اس کے نتھنوں میں شیطان نے پھونک ماری ہے"۔ حالانکہ یہ معانی عربی محاورہ سے ناآشنائی کا ثبوت ہیں۔ یہ عربی کا محاورہ ہے۔ منجد اور اقرب الموارد میں ہے:

نفخ الشیطان فی انفہ ای تطاول الی ما لیس لہ۔

نفخ الشیطان فی انفہ کے معنی ہیں "وہ امکان سے بھی آگے بڑھ گیا۔

پس یہاں بھی نفخ الشیطان فی منخریھا کا مفہوم ہو گا کہ "وہ غضب کی مغنیہ ہے" حسن کو جب ہم ایمان سوز اور زہد ربا کہیں تو حسن کی تحقیر مقصود نہیں ہوتی۔ اس لیے اس محاورہ میں بھی شیطان کا لفظ آ جانے سے موسیقی کی مذمت نہیں ہو سکتی۔ آخر یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ نبی صلعم نے خود اس سے گانا سننے کی فرمائش کی تھی اگر گانا حرام ہوتا تو کون ہے جو یہ تصور بھی کر سکے کہ نبی صلعم حرام گانا سنانے کی فرمائش بھی کر سکتے تھے۔ اسی لیے تو ابوالفتوح

الغزالی نے فتویٰ صادر کر دیا کہ:

فمن قال ان النبی صلعم سمع حراماً وما منع من السماع حراماً واعتقد ذالک فقد کفر بالاتفاق[1]

جو شخص یہ کہے اور اعتقاد رکھے کہ نبی صلعم نے حرام سنا اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق کفر کا مرتکب ہے۔

۵۔ امام غزالی نے حبشیوں کے کھیل کے متعلق روایات تفصیل سے احیاء میں درج کی ہیں جو اس موضوع پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشی رقص بھی کر رہے تھے اور گا بھی رہے تھے:

کانت الحبشۃ یزفنون بین یدی النبی صلعم و یرقصون محمد عبد صالح[2]

حبشی آپؐ کے سامنے پاؤں مار مار کر ناچتے اور یہ الاپتے تھے "محمدؐ اللہ کے صالح بندے ہیں"۔

۶۔ ترمذی احمد بن منیع سے اور ابن ماجہ محمد بن طالب حاطب الجمحی سے نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت۔

جائز اور ناجائز نکاحوں میں دف اور گانے کا فرق ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حرام کاری میں اعلان نہیں ہوتا خفیہ آشنائی ہوتی ہے، اور حلال میں گا بجا کر نہ صرف خوشی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ تشہیر بھی ہوتی ہے۔

یہ روایت دوسری اسناد میں حضرت عائشہؓ، جابر اور ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے۔ احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے اپنی سنن میں اسے نقل کیا ہے۔ مشکوات میں بھی یہ روایت نقل ہوئی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اس سے شادی پر صرف

۱۔ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع

۲۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۵۲

دف اور گانے کا جواز ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات شادی بیاہ کے مواقع پر یہ چیزیں انتہائی ضروری ہو جاتی ہیں اور کسی وقت ان کے بغیر حلال و حرام کے ملتبس ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

۷۔ ترمذی میں بریدہ بن الحصیب سے روایت ہے کہ:

"نبی صلعم جب کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ایک کالی سی لڑکی آپؐ کے پاس آکر کہنے لگی "یا رسول اللہ میں نے منت مانی تھی اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کو سلامتی سے واپس لائے تو میں آپؐ کے سامنے دف بجا بجا کر گاؤں گی۔ آپؐ نے فرمایا منت مانی ہے تو گا بجا لے ورنہ رہنے دے۔ اس کے بعد وہ گانے بجانے لگی۔ اتنے میں ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی۔ پھر عمرؓ آئے تو دف کو الٹ کر اس پر بیٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا "اے عمرؓ! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔"

اس آخری فقرہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس عورت کا گانا بجانا شیطانی فعل تھا جو فاروق اعظمؓ کی تشریف آوری کے بعد ختم ہوا۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر یہ شیطانی فعل تھا تو ابوبکرؓ، عثمانؓ (اور ایک روایت میں علیؓ کا نام بھی ہے) اور خود نبی صلعم نے اس شیطانی فعل کو کیوں برداشت کر لیا؟ پس اس میں اس فقرہ کا مفہوم یہ ہے "اگر تمہارے خوف سے یہ عورت دف الٹ کر بیٹھ گئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیونکہ تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔" ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ فاروق اعظمؓ کے خوف سے بعض لوگوں نے جائز کام بھی چھوڑ دیے۔ مثلاً ایک موقع پر بہت سی عورتیں باآواز بلند نبی صلعم سے گفتگو کر رہی تھیں فاروق اعظمؓ کی آہٹ سنی تو ادھر ادھر چھپ گئیں۔ نبی صلعم کو ہنسی آگئی۔ فاروق اعظمؓ نے ہنسی کا سبب پوچھا تو رسولِ خدا صلعم نے بتایا کہ ابھی یہ عورتیں بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں جب تم آئے تو سب بھاگ گئیں۔ عمر فاروقؓ نے کہا "اے اپنی جانوں کی دشمنو! تم رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں اور مجھ سے ڈرتی ہو؟" عورتوں نے جواب دیا ہاں! کیونکہ تم بہت درشت مزاج ہو۔"[1]

۱۔ بخاری و مسلم عن سعید

اب بھی آپ دیکھتے ہیں کہ بعض بڑے بوڑھوں کی ہیبت محلہ والوں پر اس قدر ہوتی ہے کہ انھیں آتا دیکھ کر بچے کھیل چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ بس یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ رسولِ اکرم صلعم، ابوبکر صدیقؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی موجودگی میں تو ایک فعل مباح تھا مگر عمرؓ کے آتے ہی شیطانی فعل بن گیا؟ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اگر یہ منت ناجائز ہوتی تو نبی صلعم صاف کہہ دیتے کہ چونکہ تیری منت ناجائز ہے اس لیے ہم اسے پورا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔

ایک مرتبہ بو سرائیل نے منت مانی کہ "روزہ رکھ کر دھوپ میں کھڑا رہوں گا اور کسی سے بات نہیں کروں گا۔" نبی صلعم نے اس منت کو پورا کرنے سے روک دیا اور فرمایا "سائے میں آجا بیٹھ بھی جا اور افطار بھی کر۔"[1]

سوچیے کہ اگر اس عورت کی منت بھی ناجائز ہوتی تو آپؐ اسے پورا کرنے کی اجازت ہی کیوں دیتے۔ خود آپؐ کا ارشاد ہے۔ لانذر فی معصیۃ الرب ولا فی قطیعۃ الرحم ولا فیما لا تملک "ایسی کوئی منت صحیح نہیں جس میں خدا کی نافرمانی ہو یا قطع رحمی ہو، جو اپنے قبضہ سے باہر ہو۔"[2]

ان سے قطع نظر ایک روایت اور بھی ہے جس میں فاروقِ اعظمؓ کا باصرار گانا سننا ثابت ہے۔ علامہ نور اللہ حنفی لکھتے ہیں:

"محمد بن طاہر محدث اپنی کتاب صفوۃ التصوف میں عبداللہ بن ابی ملیکہ سے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں" نبیؐ کے پاس ایک عورت گا رہی تھی اتنے میں فاروق اعظمؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ گانے والی نے اپنی دف تو نیچے ڈال دی اور خود کھڑی ہو گئی۔ جب فاروقِ اعظمؓ آئے تو نبی صلعم ہنس رہے تھے۔ انھوں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا اس پر فاروق اعظمؓ نے کہا "میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک وہی نہ سُن لوں جو سرورِ کائنات

۱۔ بخاری و ابوداؤد

۲۔ بخاری و ابوداؤد

سُن رہے تھے۔ آخر عمرؓ نے بھی سُنا۔"

اس روایت کو دوسری سند سے خطیب بغدادی نے بھی لکھا ہے اور محدث محمد بن اسحاق فاکہی نے ایک اور سند سے اپنی تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے۔ علامہ نوراللہ نے اسناد پر بحث کر کے ابن اسحاق کی سند کو اصح الاسناد قرار دیا ہے۔ اس روایت کو نقل کر کے علامہ نوراللہ لکھتے ہیں:

"اس حدیث کے صحیح ہونے اور اس کی سند کے موثق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ آیت منکروں کے اوہام کے لیے برہان قاطع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اہل تعصب کے تمام حیلوں کو ختم کر دیتی ہے جو گانا سننے کے جواز کو عید یا دوسرے جائز مواقع مسرت سے مخصوص کرتے ہیں اور گانے والی کے ڈر اور گریہ کو موسیقی کی حرمت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ اس امر کے جہالت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت سے اور اس سے پہلی روایت سے یہ ثابت ہے کہ فاروقِ اعظمؓ نے نبی صلعم کی موجودگی میں اصرار کر کے گانا سنا اور دف سنا۔ اس وقت نہ کوئی عید تھی نہ دعوتِ ولیمہ اور نہ تقریب ختنہ وغیرہ جسے فقہا شرط سمجھتے ہیں۔ اگر یہاں حرمت کا شائبہ ہوتا تو عمرؓ اور خود نبی صلعم کیوں سنتے پس جو شخص عمرؓ کے سماع کو جھٹلاتا ہے تو وہ گویا صحاح کی حدیث کو جھٹلاتا ہے۔"[1]

علاوہ ازیں علامہ ابن البر کہتے ہیں کہ "فاروقِ اعظمؓ خوات بن جبیر سے ساری رات گانا سنتے رہے۔ اس کے علاوہ بعض روایات میں انّ الشیطان یخاف منک یا عمر (اے عمرؓ شیطان تجھ سے خوف کھاتا ہے) کا جملہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے ممکن ہے یہ راوی کا اپنا اضافہ ہو۔

۸۔ ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

"عائشہؓ نے اپنی کسی رشتہ دار انصاریہ کا نکاح کر دیا۔ نبی صلعم تشریف لائے تو آپؐ نے

۱۔ نغمۂ عشاق

پوچھا "کیا تم لوگوں نے اس لڑکی کو رخصت کر دیا"۔ عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "کیا کسی گانے والی کو اس کے ساتھ کر دیا تھا" کہا "نہیں" فرمایا۔ "انصار تو عورتوں کے گانے سے دلچسپی رکھتے ہیں کاش تم نے اس لڑکی کے ساتھ کوئی آدمی بھیج دیا ہوتا جو یہ گاتا ہوا جاتا:

اتیناکم اتیناکم فحیونا	ہم تمھارے گھر آئے تم ہمارے گھر آئے تم ہم پر سلامتی
نحییکم لولا الذھب الاحمر	بھیجو اور ہم تم پر۔ اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمھارے ہاں
ماحلت بوادیکم لولا الحنطۃ	کوئی نہ آتا اور گندم کے دو دھیا دانے نہ ہوتے تو
السمراء ما سمنت عذاراکم	تمھاری لڑکیاں گداز نہ ہوتیں۔"

طبرانی نے بھی یہی روایت نقل کی ہے آخر میں یہ الفاظ ہیں "تم نے اس کے ساتھ کوئی عورت کیوں نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی جاتی۔

۹۔ ایک اور روایت حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں:

"کسی انصاری نے عائشہؓ کے خاندان میں کہیں شادی کی عائشہؓ نے لڑکی کو رخصت کر دیا تو نبی صلعم نے پوچھا تم نے دلہن کو رخصت کر دیا۔ عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "اس کے ساتھ کوئی گانے والا بھی بھیجا؟ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔" عرض کیا "نہیں"۔ نبی صلعم نے زینب سے فرمایا (جو مدینہ میں رہتی تھی اور گاتی تھی) جلدی روانہ ہو کر دلہن کے ساتھ جاؤ۔"

صحابہ کرام اور سماع

ان احادیث سے نبی صلعم کا سماع ثابت ہوا اب صحابہ کرام کے سماع کے متعلق علامہ سید مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن جعفر کا گانا سننا پوری شہرت کے ساتھ ثابت ہے اور تمام ایسے مستند فقہاء، حفاظ حدیث اور مورخین اس واقعہ کو روایت کرتے ہیں جن کا مطالعہ اس معاملہ میں وسیع ہے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر گانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ابو منصور بغدادی نے اپنے رسالہ میں جس کا موضوع سماع ہے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر اپنی

جلالت شان کے باوجود اپنی باندیوں کو نئی نئی دھنیں بتاتے تھے اور ان سے اپنے بربط پر گانا سنتے تھے۔ زبیر بن بکار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر ایک مرتبہ جمیلہ کے گھر گانا سننے تشریف لے گئے کیونکہ جمیلہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ کسی کو اپنے گھر کے سوا دوسری جگہ گانا نہیں سنائے گی۔ اس نے انھیں گانا سنایا اور ارادہ کیا کہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور ان کے پاس آکر انھیں گانا سنایا کرے مگر انھوں نے اسے اس ارادہ سے باز رکھا"۔[۱]

علامہ موصوف آگے چل کر عبداللہ بن زبیر کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایک جماعت نے اور نیز شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب "السوانح" میں اپنی سند میں وہب بن سنان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ" میں نے عبداللہ بن زبیر کو گانا گاتے سنا"۔ ابن زبیر کہتے تھے کہ مہاجرین میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ترنم کا شوق نہ رکھتا ہو۔ امام الحرمین، ابن ابی الدم اور دوسرے مستند مورخین روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس بربط بجانے والی لونڈیاں تھیں۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس گئے تو بربط دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہے"؟ ابن زبیر نے بربط ان کی طرف بڑھا دیا انھوں نے غور سے دیکھ کر کہا " شامی ترازو معلوم ہوتی ہے"۔ ابن زبیر بولے" ہاں ترازو ہی تو ہے اس پر عقلیں تولی جاتی ہیں"۔ شیخ تاج الدین مزاری نے بھی ابن زبیر کے گانا سننے کی روایت نقل کی ہے"۔[۲]

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان سے متعلق لکھتے ہیں:

" ماوردی نے حاوی میں لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن جعفر گانا سننے کے مشغلے میں زیادہ

۱۔ نیل الاوطار میں بھی پوری تفصیل سے یہ سب کچھ نقل کیا گیا ہے بلکہ ابن حزم کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے جس میں ہے کہ ایک شخص چند لونڈیاں بیچنے مدینہ آیا۔ ابن عمر کو ملا تو وہ اسے ابن جعفر کے پاس لے گئے۔ ایک لونڈی ساز بجا سکتی تھی ابن جعفر نے اسے خرید لیا۔

۲۔ شرح احیاء علوم الدین ج ۶، ص ۵۰۸

۳۔ ایضاً

منہمک ہوئے تو معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ان کے پاس اس مسئلہ پر گفتگو کرنے گئے۔ دونوں پہنچے تو گانے والی لونڈیاں چپ ہوگئیں معاویہؓ نے فرمایا انھیں کہیے کہ اپنا شغل جاری رکھیں۔ انھوں نے گانا شروع کیا تو معاویہؓ کو ایسا لطف آیا کہ وہ اپنا پاؤں تخت پر پٹخنے لگے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن العاصؓ نے کہا جسے ملامت کرنے آئے تھے وہ تو آپ سے بہتر حالت میں ہے آپ کی طرح بیخودی اس پر طاری نہیں ہوئی۔ یہ سن کر معاویہؓ نے کہا: "چپ رہو عمرو! شریف آدمی صاحب جذب و کیف بھی تو ہوتا ہے[۱]۔" ابن قتیبہ نے اس روایت میں گانے کے ساتھ بربط کا ذکر بھی کیا ہے۔

فاروقِ اعظمؓ کے متعلق علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

"خوات بن جبیرؓ کہتے ہیں" ہم لوگ فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ حج کو گئے ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے۔ لوگوں نے فاروقِ اعظمؓ سے التجا کی کہ ضرار کے اشعار ترنم سے سنوایئے انھوں نے کہا ابو عبداللہ خوات کو بلا کر کہو کہ اس کے اشعار گا کر سنائے۔ خوات کہتے ہیں یہ شغل ساری رات جاری رہا۔ جب صبح ہونے لگی تو فاروق اعظمؓ نے کہا خوات اپنی زبان اب بند کرو صبح ہوگئی ہے[۲]۔"

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں "فاروقِ اعظمؓ تنہائی میں ایک دو شعر گا گا کر پڑھتے تھے[۳]۔"

عثمان غنیؓ کے متعلق بھی سن لیجیے:

"عثمانؓ کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو انھیں رات کو گانا سناتی تھیں صبح کے وقت آپ انھیں کہتے بس اب استغفار کا وقت ہے[۴]۔"

۱۔ ایضاً نیز کتاب الرخصۃ لابن قتیبہ، کامل المبرد

۲۔ استیعاب ج ۱، ص ۱۰۰

۳۔ التلخیص الجبیر ص ۴۰۰ نیز کامل للمبرد، معرفت بیہقی، الجلیس والانیس نہروانی، معرفت لابن مندہ، الترغیب ابوالقاسم اصفہانی

۴۔ اتحاف السادہ ج ۵، ص ۵۰۴

ابوالفرج اصبہانی کا یہ قول علامہ شوکانی نے نقل کیا ہے:

"حسان بن ثابتؓ نے اپنے شعر سازوں کے ساتھ گوا کر سنے"۔[۱]

علامہ شوکانی کتب تاریخ کے حوالے دیتے ہوئے ان صحابہ کے نام نقل کرتے ہیں جن سے سماع ثابت ہے۔ ہم نیچے فہرست کی صورت میں ان صحابہ کے نام درج کرتے ہیں:

امیر المومنین فاروق اعظمؓ	(رواہ ابن عبدالبر وغیرہ)
امیر المومنین عثمان غنیؓ	(ماوردی، صاحب البیان)
رافعؓ	(ابن ابی شیبہ)
عبدالرحمٰن بن عوفؓ	(ابن ابی شیبہ، ابن عبدالبر، المبرد، زبیر بن بکار)
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	(بیہقی)
سعد بن ابی وقاصؓ	(ابن قتیبہ)
ابومسعود الانصاریؓ	(بیہقی)
بلالؓ	(بیہقی)
عبداللہ بن ارقمؓ	(ابن عبدالبر، بیہقی)
اسامہ بن زیدؓ	(ابن عبدالبر، بیہقی)
حمزہؓ	(رواہ الشیخان)
ابن عمرؓ	(ابن طاہر، ابن حزم، ابن ابی الدم)
براء بن مالکؓ	(ابونعیم، ابن دقیق العید)
عبداللہ بن جعفرؓ	(ابن عبدالبر وغیرہ)
عبداللہ بن زبیر	(ابوطالب مکی)

۱۔ نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۱، نیز کامل للمبرد

حسان بن ثابتؓ	(ابو الفرج اصبہانی)
قرظہ بن کعبؓ	(ابن قتیبہ)
خوات بن جبیرؓ	(الاغانی)
رباح المعترفؓ	(الاغانی)
مغیرہؓ بن شعبہ	(ابو طالب مکی)
عمرو بن العاصؓ	(ماوردی، ابن قتیبہ)
ام المومنین عائشہؓ	(صحیح بخاری)
ربیعؓ بنت معوذ	(صحیح بخاری)
نعمانؓ بن بشیر	(الاغانی، العقد، شرح المقنع)
عبید اللہ بن عمرؓ	(زبیر بن بکار)

اوپر ان صحابہ کے نام دیے گئے ہیں جنھوں نے موسیقی سنی ہے۔ سامنے ان لوگوں کے نام ہیں جنھوں نے ایسی روایات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر صرف کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

تابعین اور سماع

ابو طالب مکی لکھتے ہیں:

"سعید بن مسیب تقوے میں بہت مقام رکھتے ہیں۔ اویس قرنی کے بعد سب سے افضل تابعی ہیں۔ سات فقیہوں میں سے ایک ہیں انھوں نے گانا سن کر اس سے لطف لیا ہے۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ سعید بن مسیب ایک مرتبہ مکہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ عاص بن وائل کے گھر سے اخضر کی آواز سنی وہ یہ شعر گا رہا تھا:

تضوع مسکا بطن نعمان اذ مشت ٭ زینب فی نسوۃ خضرات

(جب زینب شرمیلی عورتوں کے جھرمٹ میں چلتی ہے تو وادی نعمان معطر ہو جاتی ہے)

سعید بن المسیب اپنا پاؤں زمین پر پٹکنے لگے اور کہا " واللہ یہی وہ گیت ہے جسے سننے سے وجد طاری ہو جاتا ہے۔"[1]

علامہ ابن طاہر لکھتے ہیں:

" سلمہ کہتے تھے میں سالم بن عبداللہؓ بن عمرؓ کے پاس گیا تو وہاں اشعب شعر گا رہا تھا۔ تین شعر گانے کے بعد سالم نے کہا کچھ اور سناؤ پھر اشعب نے تین اور شعر سنائے اس پر سالم نے کہا اگر بات مشہور ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں تمھیں بڑا معقول انعام دیتا اور تمھارا اچھا خاصا مقام ہو جاتا۔"[2]

صاحبِ آغانی کہتے ہیں:

" عبدالعزیز بن عبدالمطلب قاضی مکہ، خارجہ بن یزید فقہائے سبعہ کے دوسرے فرد اور عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابتؓ ایک دعوت میں بلائے گئے ان میں حسان بن ثابتؓ بھی تشریف لائے تھے۔ ان کی بینائی اس وقت جاتی رہی تھی۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے دو لڑکیوں کو بلایا ہر ایک کے پاس بربط تھا۔ انھوں نے بربط پر عجیب انداز سے حسان بن ثابتؓ کے اشعار گانے شروع کیے۔ لڑکیاں گاتی جاتی تھیں اور حسانؓ رو رو کر کہہ رہے تھے اس وقت میں اپنے آپ کو بینا محسوس کرتا ہوں۔ جب لڑکیاں چپ ہو جاتیں تو حسان کی آنکھیں بھی تھم جاتیں اور جب وہ گانے لگتیں ان کی آنکھیں بہنے لگتیں۔"[3]

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

" الادفوی نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز خلافت سے پہلے موسیقی سنا کرتے تھے۔"[4]

۱۔ قوت القلوب نیز تلبیس ابلیس جوزی، اوائل الذیل ابن سمعانی، معجم طبرانی

۲۔ ابن طاہر، نیز اوائل الذیل ابن سمعانی

۳۔ کتاب الاغانی نیز تذکرہ حرونیہ ابن مرزبان، مبرد

۴۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۶۰

ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں "قاضی شریح اپنی عظمت و بزرگی کے باوجود نئی نئی دھنیں ایجاد کرتے اور گانے والی لونڈیوں سے سنا کرتے تھے"(۱)۔

عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر المعروف بہ ابن ابی عتیق اس پایہ کے بزرگ ہیں کہ صحیحین میں ان کی روایتیں موجود ہیں ان کے متعلق ابو منصور بغدادی لکھتے ہیں:

"ان کا سماع اس قدر مشہور و معروف تھا کہ تمام محدثین و مورخین اسے جانتے تھے۔ وہ اپنے زہد و تقویٰ کے باوجود سماع کے معاملہ میں بڑے آزاد تھے"(۲)۔

مشہور و معروف ماہر علم سنن و آثار، زاہد و متقی عالم علامہ عطا بن ابی رباح کے متعلق لکھا ہے:

"وہ آوازوں کی فنی تقسیم ثقیل اولیٰ اور ثقیل ثانی اور ان کے علاوہ دوسری دھنوں میں فرق کر سکتے تھے"(۳)۔

اسی طرح سعید بن جبیر، عامر الشعبی، محمد بن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم الزہری کا موسیقی سننا بھی ثابت ہے(۴)۔

تبع تابعین اور سماع

مشہور محدث، عالم، فقیہ اور زاہد عبدالملک بن جریج نہ صرف موسیقی سنا کرتے تھے بلکہ اس علم میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ مفتی مدینہ، امام مالک کے مشہور شاگرد عبدالملک بن ماجشون بھی موسیقی کے رسیا تھے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں "جب وہ میرے پاس آئے تو ان کے ساتھ گویا بھی تھا۔ بڑے محدث اور بڑے فصیح تھے"(۴)۔ فقیہ ایسے تھے کہ فتوے

۱۔ قول ابن عبدالبر بحوالہ تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۴۰۱

۲۔ رسالہ سماع، منصور بغدادی

۳۔ تاریخ خطیب بغدادی، الامتاع۔

۴۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۶۰

انہی کے چلتے تھے یا ان کے والد کے تاہم موسیقی کے رمز آشنا تھے"۔[1]

عبداللہ بن مبارک بھی گانا سنتے تھے۔[2] امام اعظم کے مشہور شاگرد امام داؤد الطائی کے علم و تقویٰ سے کون ناواقف ہے مگر ان کے متعلق خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

"وہ موسیقی کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے ان کی کمر جھک گئی تھی مگر موسیقی سن کر ان کی طاقت عود کر آتی اور جوش میں کمر سیدھی ہو جاتی تھی"۔[3]

قاضی ابو یوسف بھی جن پر مذہب حنفیہ کا دارومدار ہے گانا سنتے تھے۔ محمد کرد علی لکھتے ہیں:

"ہارون الرشید کی موسیقی کی محفلوں میں اکثر قاضی ابو یوسف بھی شریک ہوتے تھے اور ان پر نشاط کی بجائے اس انداز کا گریہ طاری ہوتا تھا جیسے ان کا ذہن موسیقی نے انعام اخروی کی طرف منتقل کر دیا ہو"

مصنف مذکور علامہ احمد بن ابی داؤد کا قول نقل کرتے ہیں:

"اگر میں معتصم کے پاس مخارق کا گانا سنوں تو مجھ پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو اچھی آواز پر تو بہائم بھی پھڑکتے ہیں"۔[4] مشہور فقیہہ محمد بن اسحاق بن سلیم قاضی قرطبہ بھی گانا سنتے تھے"۔[5]

مشہور قاضی فقیہہ، محدث اور شیخ الصوفیہ ابو طالب مکی نے تو سماع کے حق میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اور اپنے سماع کا وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں"۔[6]

۱۔ قول ابن عبدالبر بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۶

۲۔ ابو منصور بغدادی کا رسالہ سماع بحوالہ "اسلام اور موسیقی" ص ۶۲۔

۳۔ الامتاع بحوالہ "اسلام اور موسیقی" ص ۶۵۔

۴۔ بغدادی بحوالہ "اسلام اور موسیقی" ص ۶۵ - ۶۶۔

۵۔ قوت القلوب، ج ۲، ص ۶۱

۶۔ ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع ص ۴۲، نیز دلیل الطالب علی ارجح المطالب

فقہا اور موسیقی

امام اعظم کا ذکر مبارک تابعین میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ انھیں فقہا کی فہرست میں رکھا جائے کیونکہ عوام میں امام صاحب کی یہ حیثیت زیادہ معروف ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

ولا نص لابی حنیفۃ واحمد علی التحریم ونقل عنہما انہما سمعاہ[1]	امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل سے کسی ظاہر روایت میں سماع کی حرمت ثابت نہیں۔ ان کا سننا ثابت ہے۔

صاحب ہدایہ نے ایک جگہ لکھا ہے:

"جو شخص دعوتِ ولیمہ یا اور کسی قسم کی دعوت پر بلایا جائے اور وہاں راگ یا کوئی اور کھیل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہاں بیٹھے یا کھانا کھائے۔ امام صاحب نے کہا میں بھی ایک مرتبہ ایسی مجلس میں پھنس گیا تو صبر سے بیٹھا رہا[2]۔"

یہ واقعہ نقل کرکے صاحب ہدایہ نے کہا "ابتلیت (پھنس گیا تھا) کا لفظ حرمت ملاہی پر دلالت کرتا ہے۔" مگر یہی صاحب ہدایہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"غازیوں کا طبلہ اور شادیوں میں دف بجانا مباح ہے اگر کوئی شخص انھیں توڑ دے تو قیمت کا ذمہ دار ہوگا[3]۔" اور اسی پہلی عبارت میں بھی صاف لکھا ہے کہ دعوتِ ولیمہ یا دعوتِ طعام پر راگ یا کھیل تماشہ سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اختیاری امر میں کسی حرام کا ارتکاب جائز ہو جائے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ علامہ شوکانی اور صدیق حسن خاں کے بیان کے مطابق امام اعظم اور امام احمد سے موسیقی کی حرمت کا کوئی واضح قول ثابت نہیں۔ رہا امام صاحب کا یہ فرمانا کہ "ابتلیت" (میں پھنس گیا تھا)، تو یہ طبعی نفرت کی وجہ سے ہو سکتا

۱۔ ہدایہ ج ۴، کتاب الکراہیۃ نیز جامع الصغیر ص ۱۵۲ ۔ ۲۔ ہدایہ کتاب الکراہیۃ

۳۔ ہدایہ باب الغصب

ہے۔ لیکن کوئی آدمی اگر کسی مباح سے طبعی طور پر نفرت کرے تو مباح حرام نہیں ہو جاتا۔

رہے امام مالک بن انس تو ان کے متعلق علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

"رویانی نے قفال سے روایت کی کہ مالک بن انس گانے بجانے کو مباح سمجھتے تھے۔"[1]

فقہاء میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے امام شعرانی لکھتے ہیں:

"شریف ابو محمد ہاشمی سے گانا سننے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں؟ ہاں میں نے اپنے شیخ ابوالحسن تمیمی کے دولتکدے پر دیکھا کہ شیخ المالکیہ ابوبکر ابہری، شیخ الشافعیہ ابوالقاسم دارکی، شیخ الحدیث طاہر بن حسین، شیخ الواعظین والزاہدین ابوالحسن بن شمعون، شیخ المتکلمین ابن مجاہد، علامہ ابوبکر باقلانی اور شیخ الحنابلہ ابوالحسن نے ایک آدمی کو گانے کے لیے کہا۔ اس نے ایک غزل گائی جس کے چند شعر یہ ہیں:

خطت انا ملها فی بطن قرطاس　　رسالۃ بعبیر لا بانفاس

ان زر وقد بیتک بی من غیر محتشم　　فان حبل لی قد شاع فی الناس

وکان قولی لمن ادی رسالتھا　　قف لی لاسعی علی العینین والراس — لبسر و چشم

(محبوبۂ دل نواز نے اپنی حسین انگلیوں کو حرکت دے کر عبیر کی مخلوط خوشبو سے کاغذ کے پرزے پر لکھا "میں تم پر نثار مجھے بے کھٹکے ملو کیونکہ تمھاری محبت کے چرچے اب دل سے نکل کر لوگوں کی زبانوں پر آگئے ہیں۔" میں نے خط پڑھا اور قاصد سے کہا ذرا رکنا میں سر آنکھوں کے بل چلوں گا)۔

شریف ہاشمی نے کہا ان لوگوں کو غنا سنتے ہوئے دیکھ کر میں کیونکر اس کے مخالف فتویٰ دے سکتا ہوں کیونکہ یہ عراق کے وہ مشائخ ہیں کہ اگر ان سب پر چھت گر جائے تو تمام عراق میں کوئی فتویٰ دینے والا باقی نہ رہے گا۔ یعنی اگر وہ مر جائیں تو کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہے گا جو کسی معاملہ میں فتوے دے سکے۔"[2]

۱۔ نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۰۱

۲۔ لطائف المنن، ج ۲، ص ۱۰۷

امام عزالدین بن عبدالسلام اور دمشق کے شیخ اور مفتی شیخ تاج الدین فرازی دف اور شہنائی کے ساتھ گانا سنتے تھے۔"[1] ہم بخوف طوالت باقی فقہاء کے نام حذف کرتے ہیں اور شیخ محمد بن احمد مغربی کی یہ عبارت نقل کر کے "سماع اور فقہاء" کی بحث ختم کرتے ہیں۔

"جس کے اندر ذوقِ سلیم، وسیع المشربی اور دردِ دل ہو وہ موسیقی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے کیونکہ اس کی حلت پر اجماع امت ہے۔ اس کی ایک دلیل تو عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کا عمل ہے۔ اور علی المرتضیٰ رض اور امیر معاویہ رض کے عہد میں صحابہ میں سماع عام طور پر رائج تھا مگر کسی نے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کہا۔ لہذا اسے "اجماع سکوتی" سمجھنا چاہیے"[2]۔

موسیقی کا جواز

آخر میں ہم علامہ عبدالغنی نابلسی کی بے مثال تصنیف "ایضاح الدلالات فی سماع الآلات" میں سے جستہ جستہ اقتباسات نقل کر کے اپنا "مقدمہ" ختم کرتے ہیں۔ علامہ موصوف فقہِ حنفی کے مشہور و معروف عالم ہیں۔ علامہ شامی اور علامہ طحطاوی جیسے فاضل ان کے خوشہ چین ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

"حاصل یہ ہے کہ اچھی آواز کا مختلف النوع باجوں پر سننے کا مسئلہ ایسا نہیں کہ اسے مطلق حرام کہہ دیا جائے تاآں کہ وہ "لہو" کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اس بارے میں بعض احادیث مطلق ہیں اور بیشتر مقید ہیں۔ احادیث بھی اصل میں قرآنی آیات کی طرح ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔ فقہائے اربعہ کی تمام عبارات بھی مقید ہیں اور اگر بعض فقہاء نے اسے مطلق حرام لکھا ہے تو وہ بھی مقید ہے کیونکہ دین کی تفصیلات سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہی تقیید ہے۔ سمجھدار کے لیے تو اتنا اشارہ

۱۔ "فرح الاسماع" مصنفہ محمد بن احمد مغربی تونسی، ص ۱۲، ۱۶

۲۔ فرح الاسماع

کافی ہے۔ رہا جاہل بے عقل وہ تو شارع کے مقصود کو ہزار طرح کی عبارتوں سے بھی نہیں سمجھتا

غرض یہ مسئلہ جب "لہو" کی قید سے مشروط ہے تو باجوں کی حرمت کا فتویٰ بھی اسی وقت صحیح ہوگا جب اس میں لہو کی شرط بھی پائی جائے۔ اور اگر باجوں کی غرض لہو نہ ہو تو یہ حرام نہ ہوں گے بلکہ ہر مومن ومسلم کے لیے جائز ہوں گے۔ خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل خواص اور اس حکم کو کسی سے پوشیدہ نہ رکھنا چاہیے۔ لہو سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعت الٰہی سے بے توجہی ہو یا فرائض وواجبات کو فراموش کر دیا جائے یا حرام ومکروہات میں رغبت ہو جائے مثلاً شراب یا زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا گانا سننا جس سے سنتے وقت یا بعد میں عارضی یا مستقل طور پر برے خیالات دل میں پیدا ہوں۔

اور جاہل ہے وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ آلاتِ موسیقی بجز لہو کے اور کچھ نہیں۔ اگر یہ آلات لہویت کے دائرہ سے کبھی باہر نہ ہو سکتے تو علماء نہ تو طبل جنگ کو اس سے مستثنیٰ کرتے، اور نہ احادیث مطلقہ کی تخصیص کرتے۔

اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ ہم تمھاری بیان کردہ تفاصیل نہیں مانتے بلکہ فقہاء نے جو باجوں کو مطلقاً حرام لکھا ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ تم جاہل تو ہو ہی مگر تمھیں امتِ محمدیہ سے بھی بدظنی ہے اور تمھارے نہ ماننے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تمھارے جیسے لوگوں کے لیے ہم نے جو تفاصیل لکھی ہیں وہ ہماری من گھڑت نہیں لہو کی قید فقہاء کی عبارتوں میں بالصراحت مذکور ہے۔ لیکن اس کے لیے جو اُن کتابوں کو سمجھ سکتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حنفی اور غیر حنفی فقہاء کی تمام عبارتوں میں لہو کی قید موجود ہے۔ ہر فقیہہ "ملاہی" یا "لہو" کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اگر بالفرض کسی نے استعمال نہ بھی کیا تب بھی ہم کہیں گے کہ اس کے الفاظ میں لہو کی قید موجود ہے کیونکہ دوسری عبارات میں صاف طور پر "لہو" کا لفظ موجود ہوگا۔ اسی طرح احادیث بھی مقید ہیں۔ ہماری طرح دوسرے لوگوں نے بھی یہی کچھ کہا جو ہم کہتے ہیں۔

ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا ان پرندوں کی چہک سننا بھی حرام ہے۔ یہ بھی تو غایت درجہ کے نغمہ نواز اور مطرب ہوتے ہیں اور انسانی جذبات میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اگر اس کا جواب کچھ لوگ اثبات میں دیں تو ہم انھیں صرف جاہل اور مفتری ہی نہیں بلکہ پاگل بھی کہیں گے اور اگر وہ انھیں جائز بتائیں تو ہم کہہ دیں گے کہ تمام قسم کے نغمہ نواز آلات و مزامیر کی بھی یہی حالت ہے[1]۔"

۱۔ ایضاح الدلالات فی سماع الآلات

افتتاحیہ

ہر طرح کی حمد و ستائش خدائے قدوس ہی کو زیبا ہے جس نے اولیاء اللہ کے مقدس دلوں میں عشقِ الٰہی اور حُبِّ خداوندی کی پاکیزہ شمعیں روشن کیں۔ ان کی بے قرار روحوں کو اپنے دیدار کی والہانہ تڑپ عطا فرمائی۔ ان کی بصیرت و بصارت کو اپنے جمالِ جہاں فروز کا اس قدر اشتیاق بخشا کہ وہ خواہشِ وصال کے متوالے ہو گئے اور جب ان کے دلوں نے شاہدِ آیاتِ جلال و جمال کا نظارہ کیا تو خمارِ شیفتگی و سرگشتگی نے انھیں مدہوش کر دیا۔ کتنی بلند نصیب ہیں وہ آنکھیں جنھیں کائنات کے ہر ذرے میں محبوبِ حقیقی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور کتنی خوش بخت ہیں وہ زبانیں جو ذکرِ محبوب کے سوا کسی اور کے ذکر سے آلودہ نہیں ہوتی ہیں۔ کتنے فیروزمند ہیں وہ لوگ کہ جن کے پردۂ بصارت پر اگر کوئی تصویر نمودار ہوتی ہے تو ان کے پردۂ بصیرت پر نقاشِ ازل کی حسین یاد ابھرتی ہے۔ اور کس قدر پُرعظمت ہیں وہ نفوسِ قدسیہ کہ ہر دل کش نغمہ جن کی تارِ رگِ جاں پر ایک مضراب ثابت ہوتا ہے اور ان کے دلوں کی پاکیزہ وسعتیں محبوبِ ازل کے زمزموں سے معمور ہو جاتی ہیں ان کے نالۂ درد انگیز کی اداس چیخوں اور سازِ طرب کی رسیلی تانوں میں کوئی امتیاز نہیں سمجھتے۔ ہر آواز ان کے لیے یادِ حبیب کا پیغام ثابت ہوتی ہے۔ نوحۂ الم اگر ان کے دلوں میں کسک پیدا کرتا ہے تو یہ کسک اللہ کے لیے ہوتی ہے اور نغمۂ طرب اگر انھیں مسرت و انبساط کے کیف سے سرشار کرتا ہے تو یہ سرشاری بھی اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے:

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار   بگزرانند و خمِ طرۂ یارے گیرند

یہی ان کا سماع ہے اور اسی کے وہ خواہش مند ہوتے ہیں۔ جمالِ حبیب کے بغیر ان کی آنکھوں کو کچھ

نظر نہیں آتا اور صدائے محبوب کے سوا کوئی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے اپنی ولایت اور برگزیدگی کے لیے چھانٹ لیا ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو سرورِ کائنات، پیغمبرِ انسانیت صلی علیہ وسلم پر:

بروحِ اعظم و پاکش درودِ لا محدود

اور اللہ کی رحمت ہو صحابہ کرام، آلِ رسولؐ، ائمۂ عظام اور اولیائے والا مقام پر۔

انسانی قلوب بھی جواہر اسرار کے بیش بہا معادن ہیں۔ روحانی اسرار دلوں میں اس طرح پنہاں ہیں جس طرح آگ فولاد اور پتھر میں چھپی ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ جس طرح دلدل کے نیچے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ مخفی ہو اسی طرح روحانی اسرار دلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ مگر دلوں میں چھپی ہوئی اس عظیم الشان دنیا کا مشاہدہ کرنے کے لیے موسیقی ہی دریچہ کا کام دے سکتی ہے۔ اور یہی وہ دہلیز ہے جسے عبور کیے بغیر ہم اس دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ موسیقی کی دلربا اور رسیلی تانوں میں ہی وہ قوت ہے جو روحانی دنیا کے اسرار کو باہر نکال سکتی ہے۔ موسیقی قلبِ انسانی کو حرکت میں لاتی ہے اور پھر اچھے، بُرے ہر قسم کے رازوں کو باہر نکالتی ہے کیونکہ برتن سے وہی چیز ہی تو چھلکتی ہے جو اس کے اندر ہو۔ پس موسیقی قلب کے لیے ایک صحیح ترین کسوٹی اور معیارِ ناطق کی حیثیت رکھتی ہے۔ دل پر اگر فاسد جذبات غالب ہوں تو موسیقی کی تحریک سے وہی باہر آتے ہیں اور اگر صالح جذبات غالب ہوں تو انھیں کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ دل فطری طور پر موسیقی کے مطیع ہیں۔ موسیقی کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے اور اس کی اباحت اور عدمِ جواز پر علماء میں جو اختلافات ہیں ان کا جائزہ لیا جائے۔ ہم اس بحث کو دو ابواب میں واضح کریں گے۔ پہلا باب موسیقی کی اباحت کے متعلق ہوگا اور دوسرے باب میں موسیقی کے آداب، وجد و حال، رقص اور کپڑے پھاڑنے تک کے امور پر بحث ہوگی۔

پہلا باب

موسیقی کی حلت و حرمت پر علماء و صوفیاء کے اقوال

موسیقی سے دل میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے وجد و حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وجد اعضاء میں کبھی غیر متوازن حرکات پیدا کرتا ہے انھیں اضطراب کہتے ہیں اور کبھی متوازن حرکات کا باعث بنتا ہے اور انسان تالیاں بجانا اور رقص کرنا شروع کر دیتا ہے۔ موسیقی کی اس مختصر سی تعریف کے بعد ہم اس کی اباحت اور عدم جواز پر مختلف علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اور پھر اس کی حرمت کے دلائل پر تنقید کریں گے۔

موسیقی کی حرمت کے قائل کون ہیں

قاضی ابو الطیب الطبری نے امام مالک، امام شافعی[1]، امام ابو حنیفہ، امام سفیان، اور علما کی ایک جماعت سے ایسے الفاظ نقل کیے ہیں جن سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ موسیقی ان کے نزدیک حرام تھی۔

امام شافعی کتاب آداب القضاء میں فرماتے ہیں " گانا بجانا ایک مکروہ تماشا ہے جو باطل کے مشابہ ہے۔ ان چیزوں میں محو ہونے والا احمق ہے اور اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی"۔

قاضی ابو الطیب کہتے ہیں کہ امام شافعی کے شاگردوں کے نزدیک غیر محرم عورت کا گانا سننا ناجائز ہے چاہے وہ حُرّہ ہو یا لونڈی اور چاہے وہ پردہ کے پیچھے ہو یا سامنے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس گانے والی لونڈی ہو اور اس کا گانا سننے کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں

۱۔ مقدمہ میں " فقہاء اور موسیقی " کے عنوان کے تحت اس بحث کو چھیڑا گیا ہے

تو وہ شخص رذیل ہے اور اس کی شہادت قابل قبول نہیں۔ امام شافعی سے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ لکڑی سے گت بجانے کو پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ زنادقہ نے یہ چیز قرآن حکیم سے غافل کرنے کے لیے ایجاد کی ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ "نرد اور اس قسم کے دوسرے کھیل مکروہ ہیں اور میں شطرنج[۱] کھیلنا بھی پسند نہیں کرتا بلکہ اُن تمام کھیلوں سے نفرت کرتا ہوں جو لوگ کھیلتے ہیں کیونکہ لہو ولعب دیندار اور شریف لوگوں کا شیوہ نہیں۔ امام مالک نے بھی گانے بجانے سے منع کیا اور فرمایا کہ جب کوئی شخص لونڈی خریدے اور وہ گانے والی ہو تو لوٹا دی جائے۔ ابراہیم بن سعد کے سوا تمام اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ بھی اسے مکروہ قرار دیتے ہیں اور سرود کا سننا گناہ شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اہل کوفہ مثلاً سفیان ثوری، حماد، ابراہیم اور شعبی وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

موسیقی کی حلت کے قائل کون ہیں

ابوطالب مکی نے اس کی اباحت پر مختلف اقوال نقل کیے ہیں ان کا بیان ہے کہ "صحابہ میں سے عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، اور معاویہؓ بن سفیان موسیقی سنتے تھے"۔ بلکہ ابوطالب مکی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "صحابہ، تابعین اور سلف صالحین میں سے اکثر بزرگوں نے موسیقی سنی ہے اور ابھی تک اہل حجاز خاص موقعوں پر موسیقی سنتے ہیں اور یہ مواقع وہی مبارک مواقع ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو عبادت اور ذکر کا حکم دیا ہے۔ مثلاً حج کے موقع پر ایام تشریق وغیرہ میں، اور اہل مدینہ آج تک اہل مکہ کی طرح موسیقی کے دلدادہ ہیں۔ خود ہم نے بھی دیکھا کہ قاضی ابومروان کے پاس گانے والی لونڈیاں تھیں جو انھوں نے صوفیا کے لیے تیار کر رکھی تھیں یہ لوگوں کو موسیقی سے محظوظ کرتی تھیں۔ عطا کی دو لونڈیاں تھیں جن کی موسیقی سے عطا کے بھائی لطف اندوز ہوتے تھے۔"

۱۔ غنیۃ الطالبین میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے شطرنج کھیلنا جائز لکھا ہے۔

مصنف مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں "ابوالحسن بن سالم کو کہا گیا کہ وہ موسیقی کو کیونکر ناجائز ٹھہراتے ہیں جب کہ حضرت جنید، سری سقطی اور ذوالنون موسیقی بڑے شوق سے سنتے تھے۔ اس پر ابوالحسن بن سالم نے کہا "میں کیسے موسیقی کو ناجائز کہہ سکتا ہوں جب ایسے لوگوں نے اسے جائز سمجھا ہے۔ عبداللہ بن جعفر طیار بھی موسیقی سنتے تھے لیکن وہ لہو ولعب کو ناجائز سمجھتے تھے۔

یحییٰ ابن معاذ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ہم نے تین چیزیں کھو دی ہیں حسین چہرہ جو گناہ کی آلائش سے معصوم ہو، بھلی بات جو دیانتداری سے کہی جائے، اور اچھا بھائی چارہ جس میں وفا ہو۔ بعض کتابوں میں بعینہٖ یہی روایت میں نے حرث محاسبی کے متعلق پڑھی ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انتہائی زہد، احتیاط اور دین میں پختگی کے باوجود وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے۔"

ابوطالب مکی ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں" ابن مجاہد ایسی دعوت قبول نہیں کرتے تھے جس میں موسیقی کا اہتمام نہ کیا گیا ہو" بے شمار لوگوں نے روایت کی ہے کہ" ہمارے ساتھ ابوالقاسم ابن بنت منیع، ابوبکر بن داؤد اور ابن مجاہد ایک دعوت میں شریک ہوئے ------ موسیقار پیش ہوئے تو ابن مجاہد، ابن بنت منیع اور ابن داؤد پر زور دینے لگے کہ وہ موسیقی سنیں۔ ابن داؤد نے کہا میرے والد صاحب روایت کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبل نے موسیقی کو مکروہ قرار دیا تھا اور چونکہ میرے والد صاحب بھی اسے ناپسند کرتے تھے اس لیے میں بھی اس سے نفرت کرتا ہوں۔" اس پر ابوالقاسم ابن بنت منیع نے کہا" میں نے اپنے دادا سے سنا وہ صالح بن احمد سے روایت کرتے تھے کہ ان کے (ابن داؤد کے) والد صاحب ابن الخبازہ سے موسیقی سنتے تھے۔" ابن مجاہد نے کہا" اے ابن داؤد تم اپنے والد کے قول سے مجھے معاف رکھو اور اے ابوالقاسم تم اپنے دادا کے قول سے مجھے معاف رکھو۔ اچھا اے ابوبکر بن داؤد موسیقی میں کونسی چیز کو تو حرام سمجھتا ہے۔ کیا وہ اشعار حرام ہیں جو موسیقی میں گائے جاتے ہیں" ابن داؤد نے کہا" نہیں" ابن مجاہد نے پھر سوال کیا" تو کیا حسن صوت حرام ہے؟" ابن داؤد نے کہا" نہیں"۔ ابن مجاہد نے پھر پوچھا" تو کیا تم آواز کے زیر و بم کو حرام سمجھتے ہو؟" ابن داؤد

نے کہا "جب میں ایک شیطان پر غالب نہیں آیا تو دو شیطانوں کی قوت کو کیسے شکست دوں مطلب یہ ہے کہ جب میں حسن صوت کو حرام نہیں کہتا تو اس کے زیر و بم کو کیونکہ ناجائز کہہ دوں"۔

اولیاء میں سے ابوالحسن العسقلانی الاسود بھی موسیقی سنتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ انھوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں منکرین سماع کے دلائل کی تردید کی تھی اسی طرح دوسرے کئی اولیاء نے بھی موسیقی کی حمایت میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔

بزرگوں میں سے کسی کا قول ہے کہ "میں نے ابوالعباس خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا" موسیقی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ ہمارے علماء اس معاملہ میں بہت مختلف الرائے ہیں" انھوں نے کہا "موسیقی اس قدر صاف چیز ہے کہ علماء کے بغیر کوئی بھی موسیقی سن کر ثابت قدم نہیں رہ سکتا"۔

ممشاد الدینوری کہتے ہیں "میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ سے موسیقی کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا" میں اسے معیوب نہیں کہتا بس یہ کہتا ہوں کہ اس کی ابتداء اور انتہا قرآن حکیم سے ہو"۔

مشہور عالم طاہر بن ہلال ہمدانی الوراق کہتے ہیں" میں سمندر کے کنارے جدہ کی جامع مسجد میں معتکف تھا۔ مسجد کے ایک کونے میں کچھ لوگ گا سُن رہے تھے مجھے سخت کوفت ہوئی اور ان سے کہہ دیا" مسجد میں یہ بیت بازی کیسی" اُسی رات میں نے نبی صلعم کو اُسی کونے میں بیٹھا ہوا دیکھا ساتھ ہی ابوبکرؓ تشریف فرما تھے اور شعر سنا رہے تھے ادھر نبی صلعم وجد کی حالت میں سینے پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے پس میں نے خیال کیا کہ مجھے ان لوگوں کی بیت بازی سے نفرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے تھے کیونکہ اب کہنے والے ابوبکرؓ ہیں اور سننے والے سرورِ کائناتؐ تب آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور "ھٰذا حق بحق" یا "حق من حق" فرمایا۔ مجھے اس فقرہ میں شک ہے"۔

شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں" صوفیائے کرام پر تین مواقع پر رحمتِ باری کا نزول ہوتا

ہے۔ اول کھانے کے وقت کیونکہ وہ سخت بھوک کے بغیر نہیں کھاتے دوسرے مذاکرہ کے وقت کیونکہ وہ "صدیقین" کے مقامات پر بات کرتے ہیں تیسرے سماع کے وقت جب ان پر وجد طاری ہوتا ہے تو وہ حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ابن جریج کے متعلق روایت ہے کہ وہ موسیقی سننے کی رخصت دیتے تھے پوچھا گیا" قیامت کے روز آپ کی یہ اجازت نیکی شمار ہوگی یا بدی" تو انھوں نے جواب دیا۔ یہ نہ نیکی ہے نہ بدی کیونکہ یہ لغو کے مشابہ ہے اور اللہ نے فرمایا ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (اللہ تعالیٰ لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا)۔

موسیقی کے متعلق دونوں قسم کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اب جو تقلید کے ذریعہ حق تلاش کرنا چاہے اُسے مایوس ہونا پڑے گا کیونکہ یہ اقوال باہم متعارض ہیں اب جو شخص تقلید کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی اتباع کرنا چاہے تو وہ اپنی پسند کے قول کی طرف مائل ہو جائے گا مگر اہل تحقیق کا یہ طریقہ نہیں۔ بس حقیقت کی جستجو کرنی چاہیے اور یہ چیز ان دلائل کا جائزہ لینے سے حاصل ہو سکتی ہے جو جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

موسیقی کی اباحت کے دلائل

جو لوگ موسیقی کو حرام کہتے ہیں وہ اصل میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ عتاب کرے گا۔ لیکن اس کا فیصلہ مجرد عقل سے نہیں ہو سکتا۔ کسی شرعی فیصلہ کے لیے یا تو نص ہونی چاہیے یا نص پر قیاس۔ لیکن موسیقی کی حرمت پر کوئی نص نہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے اس کی ممانعت کی ہے اور نہ ہی آپؐ کے اقوال و افعال پر قیاس کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ موسیقی حرام ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ اس وقت مدلل ثابت ہوگا جب ہم موسیقی کو حرام سمجھنے والوں کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔ سردست ہم یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اس معاملہ میں کوئی نص وارد نہیں پس یہ دوسری چیزوں کی طرح مباح ہے۔ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ نص اور قیاس کی رو سے بھی موسیقی مباح ہے۔

سب سے پہلے قیاس کو لیجیے۔ موسیقی چند چیزوں کے امتزاج سے ظہور میں آتی ہے۔ پس اس کے اجزاء پر ہم علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔

موسیقی کا اہم جزو آواز ہے۔ آواز موزوں بھی ہوتی ہے اور غیر موزوں بھی۔ موزوں آوازوں میں سے بعض با معنی ہوتی ہیں جیسے اشعار اور بعض بے معنی ہوتی ہیں۔ جمادات وحیوانات کی آوازیں۔

دل کش آواز کا اس کی دل کشی کے باعث سننا کبھی حرام نہیں ہو سکتا بلکہ وہ نص اور قیاس کی رو سے حلال ہے۔ کیونکہ قوتِ سامعہ اپنی مخصوص غذا حاصل کر کے محظوظ ہوتی ہے۔ پس یہ اس کی فطرت ہے۔ اس دلیل پر اس طرح غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کے علاوہ اور بھی پانچ حواس عطا فرمائے ہیں اور ان میں سے ہر حاسہ اپنے مطلب کی چیز سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ حسین نظاروں سے لذت حاصل کرتی ہے۔ بہار جب جمالِ فطرت کا نقاب الٹتی ہے۔ سبزہ لہلہاتا ہے، جوئے رواں کو ٹھنڈی ہوا ہلکورے دیتی ہے، پھول کھِلتے ہیں اور حسن مختلف رنگوں کے لباس اوڑھ کر جلوہ فگن ہوتا ہے تو قوتِ بصارت لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف سوگوار مناظر اور قبیح چیزوں سے نگاہیں نفرت کرتی ہیں۔ قوتِ شامہ خوشبوؤں کو سونگھنے سے تازگی اور فرحت محسوس کرتی ہے اور بدبو کے جھونکے اسے ناگوار ہوتے ہیں۔ قوتِ ذائقہ شیریں و لذیذ کھانوں میں لطف محسوس کرتی ہے مگر کڑوی چیزوں سے نفرت کرتی ہے۔ قوتِ لامسہ لطیف، نرم اور ملائم چیزوں کے لمس سے انبساط حاصل کرتی ہے اور سخت اور کھردری چیزوں کے لمس میں کراہت محسوس کرتی ہے۔ عقل کا بھی یہی حال ہے۔ اُسے علم و معرفت میں لطف ملتا ہے مگر جہالت کا بر تو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح قوتِ سامعہ بھی دلکش آوازوں میں اپنی طلب کی تسکین حاصل کرتی ہے اور بری آوازوں سے اسے نفرت ہوتی ہے۔ بُلبُل کے دل کش گیتوں میں قوتِ سامعہ کے لیے کیف و سرور کا پیغام ہے لیکن گدھے کی چیخوں سے کانوں

کو سخت نفرت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ۔ بے شک بڑی سے بری آواز گدھوں کی ہے۔

پس جس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حسین مناظر سے لطف اندوز ہونا، خوشبو سونگھ کر فرحت محسوس کرنا، نرم و ملائم چیزوں کو چھو کر فرحت حاصل کرنا اور علم و معرفت کے حقائق سے لذت لینا گناہ ہیں اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ دلکش آواز سے قوتِ سامعہ کا سرور حاصل کرنا گناہ ہے۔

قیاس اور آواز کی تصریحات کے بعد اب نصوص پر غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ نصوص بھی دل کش آواز سننے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے فرمایا "يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ" (وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے) کہا گیا ہے کہ اس سے بھی حسنِ صوت مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الصَّوْتِ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو حسن صوت کی صفت عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔[۱]

پیغمبرِ انسانیت نے فرمایا

اَللّٰهُ اَشَدُّ اَذَنًا لِلرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ لِقَيْنَتِهٖ۔[۲] اللہ تعالیٰ دل کش آواز والے کی تلاوت رغبت سے سنتا ہے جس طرح لونڈی والے اپنی لونڈی سے سنتے ہیں۔

حدیث شریف میں داؤد علیہ السلام کی تعریف میں ہے

۱۔ یہ روایت شمائل ترمذی میں قتادہ سے منقول ہے۔ ایک جگہ مذکورہ الفاظ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں "وکان نبیکم حسن الوجہ حسن الصوت" (تمہارے نبی حسین چہرہ والے اور حسین آواز والے تھے) لیکن دارقطنی نے کہا کہ یہ الفاظ ثابت نہیں۔

۲۔ ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم۔ فضالہ بن عبید کے طریقہ سے اسے صحیح قرار دیا گیا ہے۔

كان داؤد حسن الصوت في النياحة على نفسه وفي تلاوة الزبور حتى كان يجتمع الانس والجن والوحوش والطير لسماع صوته وكان يحمل في مجلسه اربعمائة جنازة وما يقرب منها في الاوقات

داؤد علیہ السلام جب اپنے نفس پر نوحہ کرتے یا جب زبور کی تلاوت کرتے تو ان کی آواز میں اس غضب کی دلکشی اور اس بلا کا سوز و گداز ہوتا کہ انسان، جن، چوپائے اور پرندے ان کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور بعض اوقات آپ کی مجلس سے چار سو جنازے اٹھائے جاتے

ابو موسیٰ اشعریؓ کی تعریف فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فقد اعطی مزمارا من مزامیر آل داؤد[۲]۔

انھیں (ابو موسیٰ اشعری کو) آل داؤد کے مزامیر سے میں سے ایک مزمار عطا کیا گیا ہے۔

خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان انکر الاصوات لصوت الحمیر" بھی اچھی آواز کی تعریف میں ہے کیونکہ جب گدھے کی آواز کو مکروہ قرار دیا تو لازماً اس سے یہ مفہوم نکلا کہ آوازوں میں بعض دلکش ہوتی ہیں اور بعض ناگوار۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آواز کا سننا تو زیادہ مباح ہے کیونکہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں ہے تو لازماً بلبل کی آواز سننا حرام ہوا کیونکہ معیار یہی جب یہی ٹھہرا کہ جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہو وہی آواز مباح ہے تو بلبل کی آواز سننا حرام ہوگا کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ لیکن مخالفین بھی اس بات کے قائل نہیں اور وہ بھی بلبل کی آواز سننا مباح قرار دیتے ہیں۔ اب انھیں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ جب وہ بلبل کی بے معنی آواز کو سننا مباح قرار دیتے ہیں تو بامعنی آواز سننے کے عدم جواز پر ان کی کونسی دلیل کارگر ہو سکتی ہے بلکہ بامعنی آواز کا سننا تو بدرجۂ اولیٰ مباح قرار پائے گا کیونکہ اشعار تو بامعنی ہونے کے ساتھ حکمت و موعظت سے لبریز

۱۔ احیاء علوم الدین کے فاضل حاشیہ نگار علامہ زین ابی الفضل عبدالرحیم بن حسین العراقی نے کہا کہ مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی۔

۲۔ متفق علیہ

بھی ہو سکتے ہیں۔

موزوں آواز

آوازمیں وزن کا ہونا حسنِ آواز سے الگ چیز ہے کئی دل کش آوازیں وزن سے خارج ہوتی ہیں اور کئی موزوں آوازیں دل کش نہیں ہوتیں۔ موزوں آوازیں اپنے مخارج کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ یا تو وہ جمادات سے نکلتی ہیں جیسے مزامیر، تار کے باجے، لکڑی سے گت بجانا اور ڈھول وغیرہ کی آواز۔

۲۔ یا وہ حیوانوں کے گلے سے نکلتی ہیں مثلاً بلبل، قمری اور دوسرے گانے والے پرندوں کی آوازیں۔ چونکہ یہ اپنی دل کشی کے ساتھ موزوں و متناسب ہوتی ہیں اس لیے ان کی موسیقی سے سماعت لطف اندوز ہوتی ہے۔

۳۔ انسانی آواز

مزامیر بھی انسانی اور حیوانی آوازوں کو مدِنظر رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ اور یہ صفت خلقت مشابہ ہے صنّاع جو چیز بھی بناتے ہیں اصل میں وہ اللہ کی تخلیق و اختراع کے مشابہ ہوتی ہے۔ پس وہ اصل میں اپنی ایجاد کو خدا کی تخلیق ہی سے اخذ کرتے ہیں اور اسی کی پیروی کاریگروں کے مدِنظر ہوتی ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اس کی تشریح بیان نہیں کرتے۔ اتنا بہر حال ثابت ہے کہ مزامیر وغیرہ حیوانات کی آواز کو مدِنظر رکھ کر بنائے گئے اور جب بلبل وغیرہ کی آواز کو حرام نہیں سمجھا جاتا تو اسی آواز پر بنائے ہوئے آلۂ موسیقی کو کیونکر حرام کہا جا سکتا ہے۔ پس جمادات و حیوانات کی آوازوں میں کوئی فرق نہیں۔ پس انسان کی پیدا کردہ آوازوں کو بلبل کی آواز پر قیاس کرنا چاہیے۔ شریعت نے آلات لہو، تار کے باجے اور مزامیر[۱] کو ممنوع کیا ہے تو اس لیے نہیں کہ

۱۔ ایسی تمام روایات کو ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ وہاں ان روایات کے متعلق محدثین کی آراء (باقی اگلے صفحہ پر)

ان سے لذت حاصل ہوتی ہے بلکہ ان چیزوں کی حرمت شراب کی حرمت کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کی تو ابتداء میں نبی صلعم نے شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے ساتھ شرابیوں کے شعار یعنی رقص و موسیقی کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ پس اصل میں یہ حرمت، حرمتِ عین نہیں بلکہ دوسری حرام چیزوں کے تابع ہے۔ جس طرح اجنبی عورت سے علیحدگی ناجائز ہے کیونکہ یہ زنا کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ان کی طرف دیکھنا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ شرم گاہ کے قریب ہے۔ شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے کیونکہ وہ کثیر کا پیش خیمہ ہے۔ پس جو چیز بھی حرام ہے اس سے بچنے کے لیے حرمت کا ایک دائرہ کھینچا گیا ہے۔ اس دائرہ کے اندر آنے والی جزئیات پر بھی حرمت کا حکم ہوتا ہے تاکہ وہ ایک ڈھال کی طرح حرام چیز کے قریب جانے سے بچائے۔ رسول مقبول صلعم نے فرمایا

ان لکل ملک حمی، وان حمی اللہ محارمہ — بے شک ہر بادشاہ کے لیے محفوظ جگہ ہے اور اللہ کی محفوظ جگہ وہ اشیاء ہیں جنھیں اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔

پس موسیقی بھی شراب کی حرمت کی وجہ سے حرام کی گئی تھی اور اس کی تین وجوہات ہیں:

۱۔ یہ اس زمانہ کے مے خواروں کا شیوہ تھا، اس وقت موسیقی کو شراب کی تمہید سمجھا جاتا تھا۔ اسی علت کی وجہ سے شراب کے ساتھ موسیقی کو بھی حرام کیا گیا۔ جس طرح شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ چونکہ موسیقی میں اکثر شراب کا ذکر ہوتا تھا اور یہ ذکر شوقِ مے خواری پیدا کرتا تھا اور یہ

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بھی لکھی گئی ہیں اور پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ محدثین ان تمام روایات کو ضعیف اور ناقابل حجت ٹھہراتے ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ کی یہ وسیع النظری آپ ہر قدم پر ملاحظہ کریں گے کہ وہ مخالفین کی ضعیف روایتوں کو بھی ضعیف قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

شوق اپنی انتہاء کو پہنچ کر آخر مے نوشی کا سبب بنتا تھا اس لیے اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ یا مے خوار جب موسیقی سنتے تو انھیں شراب کی محفلیں یاد آجاتی تھیں اس لیے اس کی حرمت کا بھی حکم دیا گیا اسی وجہ سے ان خاص قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا۔ (نھی عن الانتباذ فی المزفت والحنتم والنقیر - مزفت، حنتم اور نقیر میں نبیذ بنانے سے رسول صلعم نے منع فرمادیا[۱]) جن میں کبھی شراب بنائی جاتی تھی کیونکہ انھیں دیکھ کر شراب کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان برتنوں کو دیکھ کر سرور نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ سرور والی چیز کی طرف رہنمائی کرتے تھے اس لیے ان میں نبیذ بنانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ پس موسیقی سے بھی چونکہ انھیں شراب کی یاد آجاتی تھی اس لیے اسے بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

۳۔ فاسقوں کی عادت تھی کہ وہ موسیقی کے موقع پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اگر مسلمان بھی اسی طرح اجتماع کرنے لگتے تو یہ اُن سے تشبہ ہوتا کیونکہ جو آدمی جس قوم کا شعار اپنا لیتا ہے وہ گویا اسی میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے اس سنت کو بھی چھوڑ دینے کی اجازت ہے جو اہل بدعت کا شعار بن جائے تاکہ ان سے مشابہت پیدا نہ ہو۔ کوبہ کو اسی وجہ سے حرام کیا گیا ہے (کوبہ وہ مستطیل شکل کا ڈھول ہے جس کی طرفین وسیع ہوتی ہیں اور درمیان سے پتلا ہوتا ہے اسے عام طور پر مخنث بجاتے ہیں۔ اگر اس میں مخنثوں کی مشابہت نہ ہوتی تو اس کا حکم حج اور جہاد کے ڈھول کی طرح ہوتا)۔ اسی علت کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کچھ لوگ ایک مجلس میں میخواروں کی طرح جمع ہو جائیں اور وہاں شراب کی تمام صراحیاں اور پیالے ہوں لیکن ان میں شراب کی بجائے شکنجبین کا شربت ڈالا جائے اس محفل میں بھی ساقی ہو جو گھوم پھر کر انھیں جام پلائے اور وہ یہ جام شرابیوں کی طرح پیئیں اور ویسی ہی باتیں کریں تو یہ مجلس بھی حرام ہوگی۔ حالانکہ شربت شکنجبین فی نفسہ حلال ہے۔ اسی طرح قبا کا اوڑھنا اور سر کے بالوں کا بڑھانا ہے۔ یہ اُن شہروں

۱۔ متفق علیہ

میں حرام ہو گا جہاں یہ اہل فساد کا لباس ہے لیکن ماوراء النہر کے علاقوں میں جہاں صالح قسم کے لوگ بھی یہ لباس پہنتے ہیں وہاں یہ حرام نہیں۔ اسی علت کے پیش نظر عراقی مزامیر اور آلات موسیقی حرام کیے گئے ہیں کیونکہ وہاں عود، صنج، رباب اور بربط وغیرہ مے نوشوں کا شعار سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے آلات موسیقی کا استعمال جائز ہے مثلاً شاہین الرعاۃ، حج، شاہین البطالین، طبل، قضیب وغیرہ۔ پس تمام آلات موسیقی کا استعمال جائز ہے سوائے اُن کے جو کسی ملک میں شرابیوں کے آلات سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ ایسے تمام آلات کا شراب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان سے شراب کا شوق دلایا جاتا ہے۔ صرف شرابیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حرام ہوئے ہیں، پس وہ اصلاً مباح حالت پر باقی رہیں گے۔ جیسے پرندوں کی آوازیں ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ...... اس طرح بجانا بھی حرام ہے کہ نہ وہ کانوں کو خوش آئند معلوم ہوں اور نہ ہی ان کی آوازوں میں تناسب و توازن ہو۔ نہیں سے ثابت ہوا کہ حرمت کی علت محض کیف و سرور نہیں بلکہ اصل میں تمام خوش گوار اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں ان کو حرام اس وقت کہہ سکتے ہیں جب وہ فساد کا باعث بنیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔

پس یہ آوازیں حرام نہیں کیونکہ یہ وہ حسین و دل کش آوازیں ہیں جن سے ہم کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔

موزون و بامعنی کلام

حسین کلام کا تیسرا درجہ موزون و بامعنی کلام ہے اور یہ شعر ہے جو انسان کے نطق سے نکلتا ہے پس یہ بھی مباح ہوگا کیونکہ اس میں مفہوم کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا۔ اور بامعنی کلام حرام نہیں ہو سکتا۔ اب چونکہ نہ موزون کلام حرام ہے اور نہ بامعنی پس جب وہ الگ الگ حرام نہیں تو دونوں مل کر کیسے حرام ہو جائیں گے۔ ہاں مفہوم پر غور کرنا ضروری ہے۔ اگر اس مفہوم میں کسی حرام

چیز کا اشتیاق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو یہ کلام بہرحال حرام ہوگا چاہے وہ نظم میں ہو چاہے نثر میں اور چاہے اسے گایا جائے چاہے نہ گایا جائے۔ امام شافعی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "شعر بھی کلام کی قسم ہے پس اس میں جو اچھی بات ہے وہ اچھی ہے اور جو بری ہے وہ بری ہے"۔ پس جس طرح گائے بغیر شعر پڑھنا جائز ہے اسی طرح اسے خوش الحانی سے پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ مباحات اگر جمع ہو جائیں تب بھی مباح ہوں گے اور شعر پڑھنے کو کیسے معیوب سمجھا جا سکتا ہے جبکہ خود رسول اللہ ؐ کے سامنے اشعار پڑھے گئے[۱] اور آپؐ نے فرمایا

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً — بیشک بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں[۲]

عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ شعر بھی منقول ہے

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم — وبقیت فی خلف کجلد الاجرب

(وہ لوگ تو چلے گئے جن کے ساتھ زندگی سکون سے بسر ہوتی تھی اور میں ان کے پیچھے بیمار کی کھال کی طرح رہ گئی ہوں)۔

صحیحین[۳] میں ام المومنین عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ "جب رسول اللہ ؐ مدینہ تشریف لائے تو صدیق اکبر رضؓ اور بلال رضی اللہ عنہما بیمار پڑ گئے۔ ان دنوں مدینہ مطہرہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے والد بزرگوار سے بیمار پرسی کی تو وہ فرماتے

۱۔ حدیث انشاد الشعر بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متفق علیہ ہے۔ مسلم شریف میں عائشہ رضؓ صدیقہ کی روایت سے حسانؓ کے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح بخاری شریف میں ابن ابی رواحہ کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

۲۔ ابی بن کعب کی سند سے یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔

۳۔ مصنف رحمہ اللہ نے صحیحین کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی ہے حالانکہ اصل حدیث اور اشعار بخاری میں ہیں مسلم میں کہیں نہیں۔

كل امرء مصبح في اهله والموت ادنى من شراك نعله

(ہر آدمی اپنے گھر میں ہی صبح کرتا ہے اور موت اس کے جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے)۔

اور بلالؓ کا بخار جب ہلکا ہوتا تو فرماتے

الا ليت شعري هل ابيتن ليلة بواد وحولي اذخر وجليل
وهل اردن يوما مياه مجنة وهل يبدون لي شامة وطفيل

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس وادی (مکہ) میں کب رات گزاروں گا اور میرے ارد گرد "اذخر" اور "جلیل" ہوں گے۔ کیا ہم پھر بھی کبھی "مجنہ" کے پانی میں اتریں گے اور ہمیں "شامہ" اور "طفیل" نظر آئیں گے)۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ صلعم کو دی تو آپ نے دعا فرمائی

اللهم حبب الينا مدينة — اے اللہ مدینہ کو ہمارے لیے مکہ کی طرح محبوب بنا
كحبنا مكة او اشد — بلکہ اس سے بھی زیادہ

رسول اللہؐ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت دوسرے صحابہ کے ساتھ پتھر اٹھاتے تھے اور آپؐ کی زبان مبارک پر یہ شعر تھا

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا واطهر

(یہ اٹھانے والے خیبر کے اٹھانے والے نہیں بلکہ یہ تو ان سے کہیں زیادہ پاک اور اچھے ہیں)۔

ایک اور موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

لاهم ان العيش عيش الاخره فارحم الانصار والمهاجره

(عیش اگر ہے تو وہ آخرت کا عیش ہے اے اللہ میرے مہاجر و انصار کو وہی عیش نصیب کر)

اور یہ سب کچھ صحیحین[1] میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلعم مسجد نبوی میں حسانؓ کے لیے منبر رکھواتے

۱۔ مصنف مرحوم نے دونوں اشعار کے متعلق کہا ہے کہ وہ صحیحین میں موجود ہیں حالانکہ پہلا شعر (باقی اگلے صفحہ پر)

تھے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر نبیؐ کے فضائل واوصاف بیان کریں ۔ قریش کی ہجو کا جواب دیں
آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس سے حسانؓ کی تائید کرتا ہے ؎۱ جب نابغہ ذبیانی[1]
نے رسول خدا صلعم کو اپنے اشعار سنائے تو آپؐ نے فرمایا "لا یفضض اللہ فاک بی" ۔ (اللہ
تیرے دانت نہ توڑے یعنی اللہ کرے تو ہمیشہ ایسے اشعار کہتا رہے) اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ[2]
فرماتی ہیں "صحابہ سرورِ کائنات کو شعر سنایا کرتے تھے اور آپؐ تبسّم فرماتے رہتے"[2] ۔ عمرو بن
شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

انشدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مائۃ	میں نے رسول اللہ کے سامنے امیہ بن ابی الصلت کے
قافیۃ من قول امیۃ بن ابی الصلت کل ذٰلک	اشعار میں سے ایک سو قافیے پڑھے ہر شعر پر آپ کہتے
یقول ھیہ ھیہ ثم قال ان کاد فی شعرہ لیسلم	"پھر پڑھو" پھر فرمایا یہ شخص تو اپنے اشعار میں مسلمان ہے۔

انسؓ[3] سے روایت ہے کہ نبی صلعم کے لیے سفر میں حدی خوانی کی جاتی تھی ۔ عورتوں کے حدی خوان

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) عروہ کی روایت سے قصۂ ہجرت کے تحت صرف بخاری نے نقل کیا ہے دوسرا شعر بھی
بخاری میں ہے مگر وہاں "عیش" کی بجائے "اجر" کا لفظ لکھا ہے ۔ صحیحین میں دوسرا شعر یوں ہے اللّٰھم لا خیر الا
خیر الاخرہ ۔ فانصرنا الانصار والمھاجرہ یہ شعر وزن میں درست نہیں بعض جگہ "فانصر" کی بجائے "فبارک" "فاغفر"
اور "فاکرم" کے الفاظ لکھے ہیں ۔

۲ ۔ بخاری نے تعلیقاً اور ترمذی، ابوداؤد اور حاکم نے متصلاً روایت کیا ہے ۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح اور حاکم نے
صحیح الاسناد کہا ہے ۔

۱ ۔ بغوی نے یہ واقعہ معجم الصحابہ میں نقل کیا ہے اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ۔

۲ ۔ ترمذی نے جابر بن سمرہ سے یہ روایت نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے ۔ مصنف مرحوم نے عائشہ صدیقہؓ کا حوالہ دیا
ہے ۔ معلوم نہیں انھوں نے کونسی کتاب میں اسے دیکھا ۔

۳ ۔ رواہ مسلم

۴ ۔ رواہ ابوداؤد الطیالسی ۔ انجشہ کے قصہ میں شیخین بھی متفق ہیں لیکن انھوں نے براء بن مالک کا نام نہیں لیا ۔

انجشہ ہوتے اور مردوں کے حدی خوان براء بن مالک ہوتے۔ جب عورتوں کے اونٹ تیز ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا

یا انجشہ رویدک سوقک بالقواریر — اے انجشہ شیشے کے برتنوں (صنفِ نازک کی نزاکت کی طرف اشارہ ہے) کے ساتھ آہستہ چلو

رسول اللہ صلعم اور صحابہ کے زمانہ میں عربوں کی عادت کے مطابق اونٹوں کے ساتھ حدی خوان ہوتے تھے۔ اور حدی وہی اشعار ہی تو ہیں جنھیں دلکش آواز میں گایا جاتا ہے۔ تاہم نہ تو رسول اللہ نے اس سے منع کیا نہ صحابہ میں سے کسی نے اس کو ناپسند کیا بلکہ اکثر اوقات اونٹوں کی رفتار تیز کرنے اور لطف حاصل کرنے کے لیے حدی خوانوں کو تلاش کیا جاتا تھا تو کیا موسیقی کو حرام کہنے والے حدی کو بھی حرام کہیں گے؟

موسیقی محرکِ جذبات

روحوں کو دلکش نغمات سے عجیب مناسبت ہے۔ راگ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ اُدھر راگ چھڑا اور ادھر انسان پر عجیب وغریب کیفیات طاری ہونے لگیں۔ موسیقی کے بعض سُر انسان کو مسرور کر دیتے ہیں اور بعض مغموم۔ بعض سُروں کو سُن کر انسان پر نیند طاری ہو جاتی ہے اور بعض سُر انسان کو ہنساتے اور خوش کرتے ہیں۔ راگ چھڑتا ہے اور مطرب نغمہ الاپتا ہے تو انسان کے ہاتھ پاؤں سے عجیب حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو موسم بہار کے رنگین پھول اور ساز کی دل نواز تانیں متاثر نہ کر سکیں سمجھو کہ اس کے مزاج میں کوئی خرابی ہے۔ اور یہ خرابی لاعلاج ہے۔ راگ بذاتِ خود موثر ہے اس کے لیے بامعنی کلمات کی ضرورت نہیں۔ گہوارے میں پڑے ہوئے بچے کو دیکھیے جب ماں اسے میٹھی آواز سے لوری دیتی ہے تو وہ گہری نیند سو جاتا ہے آخر اسے کیا معلوم ہے کہ ماں کے کہے ہوئے الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ اور اونٹ بھی حدی سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کے جذبات میں ایسی تحریک ہوتی ہے کہ بھاری بوجھ اسے ہلکا معلوم ہوتا ہے اور حدی سن کر طویل مسافتوں کو وہ بہت جلد قطع کر لیتا ہے۔

موسیقی اس میں ایسی مستی بھر دیتی ہے کہ اس کی رفتار میں بہت تیزی آجاتی ہے۔ لمبا اور تھکا دینے والا سفر اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ پر بھاری بوجھ ہوتا ہے لیکن جب حدی کا کیف فضا میں پھیلتا ہے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور رفتار میں اتنی سرعت آجاتی ہے کہ اس کا بوجھ ہلنے لگتا ہے اور بعض اوقات تو وہ حدی کی مستیوں میں گم ہو کر اپنی جان کو ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ ابو بکر محمد بن داؤد الدینوری المعروف الرقی کہتے ہیں کہ "صحرا میں میری ملاقات ایک آدمی سے ہوئی۔ اس نے میری ضیافت کی اور اپنے خیمہ میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ خیمہ میں ایک حبشی غلام بندھا پڑا ہے۔ خیمہ کے سامنے کچھ اونٹ مردہ پڑے ہیں۔ اور ایک اونٹ اس طرح تڑپ رہا ہے جیسے وہ اپنی بے قرار روح کو موت کی آغوش میں سلانا چاہتا ہے۔ حبشی نے مجھ سے التجا کی کہ میں اس کے آقا سے اس کی سفارش کر دوں۔ جب کھانا آیا تو میں نے جب تک کھانے سے انکار کر دیا۔ عربوں کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اس لیے وہ میری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے غلام کی رہائی کی سفارش کی تو اس نے کہا کہ" اس غلام نے تو میرا تمام مال غارت کر دیا۔ میں نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا" اس غلام کی آواز بڑی میٹھی ہے۔ اس کی حدی خوانی اونٹوں پر بے انتہا اثر ڈالتی ہے۔ اس نے میرے تمام اونٹوں پر بھاری بوجھ لادا اور اپنی حدی کے دل کش ترانوں سے اونٹوں کو ایسا مست کیا کہ انھوں نے تین روز کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر لی اور جب ان سے بوجھ اتارا گیا تو سب اونٹ مر گئے صرف یہی باقی بچا جو نیم جان ہے اور جس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ لیکن چونکہ تم میرے مہمان ہو اس لیے میں تمھاری عزت افزائی کے لیے اسے تمھارے سپرد کرتا ہوں"۔ صبح ہوئی تو میں نے بھی اس کی آواز سننے کی خواہش کی اور اسے کہا کہ وہ اس اونٹ کے لیے حدی خوانی کرے جو کنوئیں سے پانی پینے جا رہا ہے۔ جونہی اس نے حدی شروع کی اونٹ رسی تڑا کر بھاگا اور میں منہ کے بل گر پڑا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے اس سے زیادہ میٹھی آواز کبھی نہیں سنی"۔ پس ثابت ہوا کہ موسیقی قلب پر ایک محسوس اثر ڈالتی ہے۔ اور جس کو موسیقی اثر نہ کرے تو وہ طبیعت کا ناقص

اعتدال کی راہ سے ہٹا ہوا اور روحانیت سے دور ہے۔ اس کی طبیعت میں سختی ہے اور وہ جانوروں اور پرندوں سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ یہ تمام موسیقی سے متاثر ہوئے اسی لیے تو داؤد علیہ السلام کی رسیلی آواز سُن کر پرندے جمع ہو جاتے تھے۔

موسیقی بنفسہٖ مطلق مباح ہے لیکن جذبات پر یہ جس طرح اثر انداز ہوتی ہے ان اثرات کو مدِ نظر رکھ کر ہم اس کی حرمت یا اباحت کا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ موسیقی انسانی جذبات کو تحریک میں لاتی ہے۔ جس کے جذبات صالح ہوں گے اس کے لیے موسیقی خیر ہے اور جس کے جذبات فاسد ہوں گے اس کے لیے موسیقی شر ہے۔ اس کا فیصلہ ماحول اور اشخاص کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا اصل انحصار افراد کی نیت پر ہوتا ہے۔ ابو سلیمان نے بہت خوب کہا ہے کہ "موسیقی دلوں میں وہ چیز پیدا نہیں کر سکتی جو ان میں نہیں موسیقی تو اسی چیز کو متحرک کرتی ہے جو دلوں میں موجود ہے۔" بس دل کش گیت گانا حرام نہیں اگر مقاصد نیک ہوں، اور ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جو فاسد جذبات کو متحرک کریں۔ نیک مقاصد کے لیے موسیقی کا استعمال آج بھی سات مواقع پر معمول بہ ہے۔

۱۔ حاجیوں کا گانا

یہ لوگ ڈھول . . . . . بجاتے اور اشعار گاتے ہوئے شہروں کا چکر لگاتے ہیں اور یہ موسیقی جائز ہے کیونکہ یہ وہ اشعار ہوتے ہیں جو کعبہ، مقام ابراہیم، حطیم اور زمزم وغیرہ کی شان میں کہے گئے ہوں۔ انھیں سن کر لوگوں کے دلوں میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی جا کر بیت اللہ کا دیدار کریں۔ اور جن دلوں میں یہ شوق پہلے سے ہی انگڑائیاں لے رہا ہو یہ اُسے اور چمکاتے اور جلا دیتے ہیں اور عملی طور پر حج کو جانے کے لیے اکساتے ہیں۔ حج چونکہ عبادت ہے اس لیے اس کا شوق پیدا کرنا بھی مستحسن ہے۔ جس طرح واعظ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی تقریر کو اشعار سے سجائے اور عبارت کو مسجع بنائے تاکہ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو اور وہ گناہوں سے تائب ہو کر عبادت کی طرف رجوع کریں اسی طرح دوسرے لوگوں کے لیے بھی شعر کہنا جائز ہے کیونکہ

جب کلام موزون اور مقفّٰی ہو تو وہ دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر جب اس کلام کو خوش الحانی سے گا کر پڑھا جائے تو اس کا اثر اور زیادہ ہوتا ہے۔ اور جب گیتوں کے ساتھ ساز بھی ہوں ڈھول اور شاہین بھی ہوں تو اس کی تاثیر اور بڑھ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں وہ آلات موسیقی استعمال نہ کیے جائیں جو اوباش اور بدطینت لوگوں کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں اگر ان سے ایسے لوگوں کو حج کرنے کا شوق دلایا جائے جن سے فریضہ ساقط ہو چکا ہے اور جنھیں والدین اجازت نہیں دیتے تو چونکہ ان کا حج کرنا حرام ہے اس لیے موسیقی کے ذریعہ سے حج کی ترغیب دینا بھی حرام ہوگا۔ اسی طرح اگر راستے پرُخطر ہوں اور امن نہ ہو تو بھی لوگوں کو حج کا شوق دلانا جائز نہیں۔

غازیوں کا گانا

غازی لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لیے جو موسیقی استعمال کرتے ہیں وہ بھی مباح ہے۔ لیکن ان کے اشعار اور اشعار کو گانے کا طریقہ حاجیوں سے مختلف ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان اشعار کا مقصد تو کفار کے خلاف غیظ و غضب اور جذبۂ شجاعت کو ابھارنا ہے۔ اور زر و مال اور جان قربان کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ بہادری کے اشعار سے اس طرح کے اشعار مراد ہیں جیسے متنبی کہتا ہے

فان لا تمت تحت السیوف مکرمًا   تمت وتقاس الذلّ غیر مکرم

(اگر تو تلواروں کے سائے میں عزت کی موت نہ مرے تجھ پر افسوس کیونکہ آخر کار تجھے ذلت کی موت آئے گی)۔

دوسری جگہ متنبی کہتا ہے

یری الجبناء ان الجبن حزم   وتلک خدیعة الطبع اللئیم

(بزدل سمجھتے ہیں کہ جان بچا کر رکھنا ہی احتیاط ہے کمینی طبیعت اسی طرح فریب دیتی ہے)

مطلب یہ ہے کہ بہادری کے اشعار کا وزن دوسرے اشعار سے مختلف ہوتا ہے۔ جب

جہاد مباح ہو تو اس وقت شجاعت کے اشعار گا کر لوگوں کے جذبات ابھارنا بھی مباح ہے اور جب جہاد مستحب ہو تو یہ اشعار بھی مستحب ہوں گے لیکن صرف اسی کے حق میں جس کے لیے جہاد پر جانا جائز ہو۔

۳۔ رجز

یہ وہ اشعار ہوتے ہیں جو بہادر آدمی میدانِ کارزار میں اپنے ساتھیوں کے اور خود اپنے جذبات ابھارنے کے لیے پڑھتے ہیں۔ ان اشعار میں اپنی تلوار کی تیزی، اپنی خاندانی شجاعت اور مذہب پر اپنی جاں نثاریوں کے فخریے گائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے جہاد پر اکسانے والے گیتوں کا سا لب و لہجہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ رجز میں نہ مغموم اور اُداس سُر ہوتے ہیں اور نہ ہی آتش زیر پا کر دینے والے جوشیلے سُر، اس کی تانیں دھیمے اور ہوش مندانہ جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ تاکہ لشکر انہی جذبات کو لیے دشمن کا مقابلہ کرے اندھا دھند ٹوٹ پڑنے سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور جذبات کے بغیر میدان میں جانے والے اکثر بیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ جب لڑائی مباح ہو تو رجز بھی مباح ہو گی، جب لڑائی مستحب ہو تو رجز بھی مستحب ہو گی اور جب لڑائی ممنوع ہو تو رجز بھی ممنوع ہو گی۔ اور یہی چیز بہادر صحابہ علیؓ، خالدؓ وغیرہم سے منقول ہے۔ اور لڑائی میں شاہین کا بجانا مکروہ ہے کیونکہ اس کی آواز نرم اور اداس ہوتی ہے جو میدانِ کارزار سے زیادہ گھر اور وطن کا شوق دلاتی ہے اور یہ چیزیں جنگ کے لیے انتہائی مضر ہیں۔ اسی طرح وہ تمام سُر جو دل کو اداس کرتے ہیں اور اس طرح شجاعت کی بجائے بزدلی پر آمادہ کرتے ہیں ناجائز ہیں۔ اگر کسی نے فرض لڑائی میں رجز کا یہ طریقہ اختیار کیا تو وہ گنہگار ہو گا۔ ہاں اگر ممنوع لڑائی کو روکنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو یہ عین ثواب ہے۔

۴۔ نوحۂ غم

بعض نوحے ایسے ہوتے ہیں جو دلوں میں سوز و گداز پیدا کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ موسیقی کا آلہ کا بہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سوز و گداز دو طرح کا ہے ایک محمود دوسرا مذموم۔ مذموم نوحہ

وہ ہے جس میں کسی ایسی چیز پر غم کھایا جائے جو اللہ نے انسان سے چھین لی ہو۔ مثلاً اگر کسی کی موت پر نوحہ کیا جائے تو یہ اصل میں خدا کے فیصلے پر غصے کا اظہار ہے۔ کتاب اللہ میں ہے

لِکَیْلَا تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ — تم اس پر مایوسی کا اظہار نہ کرو جو مصیبت تم پر گزر چکی ہے۔

ایسے ہی نوحے ممنوع ہیں اور انہی سے منع کیا گیا ہے پس اگر موسیقی سے ایسے نوحہ پر ابھارا جائے تو وہ موسیقی بھی ممنوع ہو گی"[1]۔

محمود نوحہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر پچھتائے۔ عرقِ ندامت سے آلودہ پیشانی کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کرے اور اپنی نافرمانیوں پر روئے پس یہ نوحہ قابلِ ستائش ہے۔ آدم علیہ السلام کا نوحہ اسی قبیل سے تھا۔ ایسا نوحہ دراصل دل میں توبہ وانابت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور انسان کی سرکشی ختم کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام کے نوحے اسی لیے قابلِ تعریف ہیں کیونکہ داؤد علیہ السلام ایسی پُرسوز آواز میں نوحہ کرتے تھے کہ ان کی محفلوں سے جنازے اٹھتے تھے۔ اسی لیے شیریں کلام واعظ کے لیے منبر پر پُرسوز آواز میں شعر پڑھنا جائز ہے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اپنی خطاؤں کو تسلیم کر کے جب انسان کے دل پر رقت طاری ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے ہیں اور اس کے منہ سے آہوں کا دھواں نکلتا ہے تو اللہ اس پر اپنے دامنِ رحمت سے سایہ کر دیتا ہے۔

۵۔ نغمۂ شادی

خوشی کے مواقع پر مسرت وانبساط کے جذبات کو ابھارنے کے لیے موسیقی مباح ہے۔ مثلاً عیدین، شادی، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ ایسے مواقع ہیں جہاں قدرتی طور پر دل فرحت محسوس کرتا ہے۔ ان کے علاوہ جب کوئی سفر سے واپس آئے یا کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہو یا کسی کے

۱۔ نوحے سے لعنت کی حدیث متفق علیہ ہے۔

لڑکے کا ختنہ ہو یا حفظِ قرآن کے وقت اظہارِ مسرت کے لیے موسیقی مباح ہے۔ ایسے مواقع پر نغمۂ طرب کی سرور انگیزیاں ہی مناسب ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے لیے مدینہ کی عورتوں نے بھی مسرت کا یہ راگ دف بجا بجا کر خوش الحانی سے الاپا تھا

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر بدرِ منیر طلوع ہوا۔ ہم پر اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہوا۔ جب تک دعا کرنے والا دعا کرے)

یہ نبیؐ کے خیر مقدم کا ترانۂ مسرت ہے اور واقعی یہ مسرت قابلِ رشک ہے۔ ایسے مواقع پر رقص و سرود سے بھی اظہارِ مسرت جائز ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خوشی کے موقع پر انھوں نے اظہارِ انبساط کے لیے رقص کیا (اس کی تفصیل رقص کے تحت آئے گی) پس ہر باہر سے آنے والے کے لیے اظہارِ مسرت کی خاطر رقص و سرود جائز ہے۔ صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے آپ فرماتی ہیں

لقد رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ یلعبون فی المسجد حتی اکون انا الذی اسأمہ فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو اشارۃ الی طول وقوفھا

میں نے نبی صلعم کو دیکھا کہ وہ مجھے چادر میں لپیٹ رہے ہیں اور میں مسجدِ نبوی میں حبشیوں کے کرتب دیکھ رہی ہوں۔ حتیٰ کہ میں نے نبی صلعم کو تھکا دیا پس تم خود ہی اندازہ کرو کہ نو عمر لڑکی جو تماشا دیکھنے کی حریص اس نے کتنی دیر تماشا دیکھا ہوگا۔ (اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے دیر تک تماشا دیکھا)۔

اسی طرح کی ایک دوسری روایت میں عائشہ صدیقہؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ فھم یلعبون

میں نے نبی صلعم کو دیکھا کہ وہ مجھے چادر میں لپیٹ رہے ہیں اور میں مسجدِ نبوی میں حبشیوں کے کرتب دیکھ رہی

فی المسجد فزجرهم عمر رض فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امنا یا بنی ارفدہ۔

ہوں کرا تے ہیں عمر رض آ گئے اور انھوں نے حبشیوں کو ڈانٹا نبی صلعم نے فرمایا "اے بنو ارفدہ تم امن میں ہو یعنی بے خوف رہو"۔[1]

ایک اور روایت میں ابوطاہر ابن وہب کے واسطہ سے ام المومنین رض کا یہ قول نقل کرتے ہیں

واللہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون بحرابھم فی مسجد رسول اللہ صلعم وھو یسترنی بثوبہ او بردتہ۔ لکی انظر الی لعبھم ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا الذی انصرف

خدا کی قسم میں نے رسول خدا کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑا دیکھا اور حبشی مسجد نبوی میں برچھیوں سے کھیل رہے تھے۔ آپ نے مجھے اپنا کپڑا (یعنی چادر) اوڑھا دی تاکہ میں ان کو کھیل دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے حتیٰ کہ میں سیر ہو کر لوٹی۔

ایک اور روایت میں ام المومنین عائشہ رض فرماتی ہیں

وکان یوم عید یلعب فیہ السودان بالدرق والحراب فاما سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما قال تشتھین تنظرین فقلت نعم فاقامنی وراءہ وخدی الی خدہ ویقول دونکم یا بنی ارفدہ حتی اذا مللت قال

عید کے روز حبشی نیزوں اور برچھیوں سے کھیل رہے تھے مجھے یاد نہیں یا تو میں نے رسول اللہ صلعم سے کہا یا آپ نے خود فرمایا "کیا دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو" میں نے کہا "جی ہاں" پھر آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا۔ اور آپ

۱- مسلم نے ابوہریرہ رض کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے مگر "امنا یا بنی ارفدہ" کی بجائے "دعھم یا عمر رض" (اے عمر رض انھیں چھوڑ دے) کے الفاظ ملتے ہیں۔ ام المومنین عائشہ رض کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں "دونکم یا بنی ارفدہ" (اے بنو ارفدہ جاری رکھو) اسے مصنف نے بعد میں بیان کیا ہے۔

۲- رواہ مسلم

حسبک قلت نعم قال فاذھبی — فرما رہے تھے اے بنو ارفدہ مشغول رہو۔ جب میں تھک گئی تو آپؐ نے فرمایا "بس کافی ہے" میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے مجھے جانے کا حکم دیا۔"

صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

فوضعت راسی علیٰ منکبہ فجعلت انظر الیھم حتی کنت انا الذی انصرفت — بس میں نے اپنی ٹھوڑی نبی صلعم کے کندھوں پر رکھی اور حبشیوں کا کھیل دیکھتی رہی حتیٰ کہ خود ہی لوٹ گئی۔

صحیحین میں ہے کہ عقیل نے زہری سے انھوں نے عروہ سے انھوں نے ام المومنین عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ "ایک مرتبہ دو لڑکیاں آپؐ کے پاس بیٹھی دف بجا رہی تھیں کہ ابوبکرؓ صدیق تشریف لے آئے۔ رسولِ خدا صلعم چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے انھیں جھڑکا اس پر نبی صلعم نے چہرہ سے چادر ہٹائی اور فرمایا "اے ابوبکرؓ انھیں چھوڑ دے کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔"

عمر بن الحرث نے ابن شہاب[1] سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ "دونوں لڑکیاں گا بھی رہی تھیں اور دف بھی بجا رہی تھیں"۔

صحیحین میں ام المومنین عائشہؓ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں

کنت العب بالبنات عند رسول اللہ — میں رسول اللہ کے پاس گڑیوں سے کھیلتی تھی۔

اس کے بعد فرماتی ہیں

وکان یاتینی صواحب لی فکن ینقنعن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلعم لیسر لمجیئھن الی فیلعبن معی۔ — یہ گڑیاں مجھے میری سہیلیاں لا دیتی تھیں جو رسول اللہؐ سے پردہ کرتی تھیں آپؐ ان کے میرے پاس آنے سے خوش ہوتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

۱- مسلم میں یہ روایت انہی اسناد سے مروی ہے۔ بخاری میں عمر بن الحرث کی بجائے اوزاعی نے ابن شہاب سے یہی کچھ روایت کیا ہے۔

۲- صحیحین

ایک روایت میں ہے کہ

ان النبی صلعم قال لها یوما ما هذا قالت بناتی قال فما هذا الذی اری فی وسطهن قالت فرس قال ما هذا الذی علیہ قالت جناحان قال فرس جناحان قالت اوما سمعت انه کان لسلیمان بن داؤد علیه السّلام خیل لها اجنحة قالت فضحك رسول الله حتی بدات نواجذه[۱]

ایک روز نبی صلعم نے گڑیوں کی طرف اشارہ کرکے عائشہ رضؓ سے پوچھا "یہ کیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "یہ میری گڑیاں ہیں" آپؐ نے پوچھا "ان گڑیوں کے درمیان مجھے کیا چیز دکھائی دے رہی ہے" انھوں نے کہا "یہ گھوڑا ہے" آپؐ نے پوچھا "اور اس گھوڑے کی پیٹھ پر کیا ہے؟" انھوں نے کہا "یہ اس کے پر ہیں" آپؐ نے فرمایا "ہیں! گھوڑا اور اس کے پر" ام المومنین نے جواب دیا "کیا آپؐ نے سنا نہیں کہ سلیمان بن داؤد کا ایک گھوڑا تھا جس کے پر تھے" اس پر آپؐ اس قدر ہنسے کہ داڑھیں ظاہر ہوگئیں"۔

ہمارے خیال میں یہ روایت بچوں کی اس عادت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ مٹی اور کپڑے سے جانوروں کی مورتیں بنا لیتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ گھوڑے کے دونوں پر کپڑے کے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے ایک اور روایت ہے آپ فرماتی ہیں

دخل رسول الله صلعم وعندی جاریتان تغنیان بغناء لباث فاضطجع علی الفراش وحوّل وجهه فدخل ابو بکر رضؓ فانتهرنی وقال مزمار الشیطان عند رسول الله

میرے پاس نبی صلعم تشریف لائے تو دو لڑکیاں جنگ بعاث کا ذکر گا رہی تھیں۔ آپؐ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا منہ پھیر لیا۔ اتنے میں ابوبکر صدیق رضؓ تشریف لائے اور مجھے جھڑک کر کہا "تم رسول اللہ کے پاس شیطان کا

۱۔ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح

صلعم فاقبل علیه رسول اللہ صلعم وقال دعھما فلما غفل غمزتھما فخرجتا۔

مزمار رودار کھتی ہو" اس پر نبی صلعم نے صدیق اکبرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "انھیں کچھ نہ کہیے" جب صدیق اکبرؓ ان لڑکیوں سے غافل ہوئے تو میں نے انھیں اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

یہ تمام روایات صحیحین میں موجود ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیقی اور کھیل حرام نہیں اور ان احادیث میں چند اور چیزوں کی اجازت بھی پائی جاتی ہے۔

۱۔ کھیل کی رخصت اور ظاہر ہے کہ حبشیوں کی عادت ہے کہ ناچتے اور کھیلتے ہیں۔

۲۔ اس تماشا کا مسجد میں ہونا

۳۔ نبی صلعم کا ان کو یہ فرمانا کہ تماشا کیے جاؤ۔ ان الفاظ میں کھیل کی اجازت کے ساتھ ساتھ آپؐ نے گویا کھیل جاری رکھنے کی درخواست بھی کی پس اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کا منع کرنا اور آپؐ کا فرمانا کہ انھیں کچھ نہ کہو کیونکہ عید کا روز ہے یعنی مسرت و انبساط کے وقت موسیقی جائز ہے۔

۵۔ عائشہ صدیقہؓ کی خاطرداری کے لیے آپؐ کا کھڑے رہنا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا دل خوش کرنے کے لیے کھیل دیکھنا۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان اپنے زہد خشک کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیوی بچوں کے ساتھ کج ادائی کرے نہ خود دیکھے اور نہ انھیں دیکھنے دے۔

۶۔ نبی صلعم کا ابتداءً ام المومنینؓ کو فرمانا کہ تم تماشا دیکھنا چاہتی ہو اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ معاذ اللہ آپؐ کو زوجۂ مطہرہ کی ناراضگی کا خوف تھا۔ بس گویا آپؐ نے خود تماشا دیکھنے کی ترغیب دی۔

۷۔ دونوں لڑکیوں کا گانا اور دف بجانا بھی جائز سمجھا گیا باوجودیکہ صدیق اکبرؓ نے اسے مزمار شیطان سے تشبیہ دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزمار شیطانی اور ہے۔

۸۔ لڑکیوں کی آواز آپ کے کانوں میں پہنچتی رہی مگر آپ لیٹے رہے اگر کہیں تاروں کے ساز بجتے تو نبی صلعم انھیں کبھی روا نہ رکھتے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی آواز مزامیر شیطانی کی طرح حرام نہیں بلکہ اس کی حرمت اس وقت ہوتی ہے جب فتنہ کا احتمال ہو۔

یہ قیاسات دلالت کرتے ہیں کہ مسرت وانبساط کے مواقع پر رقص، موسیقی، دف بجانا ڈھال اور ہتھیاروں سے کھیلنا، حبشیوں کے ناچ دیکھنا وغیرہ مباح ہیں۔ مسرت کے مواقع میں عید، شادی، ولیمہ، عقیقہ، ختنہ اور مسافر کے گھر لوٹنے کے دن شامل ہیں۔ اسی پر دوسرے مسرت کے مواقع بھی قیاس کیے جاسکتے ہیں۔ اگر چند احباب جمع ہوں، باہم گفتگو کریں اور اکٹھے کھانا کھائیں تو یہ بھی خوشی کا موقع ہے اس لیے ایسے موقع پر بھی موسیقی جائز ہے۔

۶۔ موسیقی محرک شوق

عشاق کا راگ، شوق کی تحریک، عشق کے دوبالا ہونے اور نفس کی تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ اگر موسیقی سامنے ہو تو موسیقی عرض وصال ہے اور اگر محبوب موجود نہ ہو تو موسیقی آتشِ شوق کو بھڑکانے کے لیے ہوتی ہے۔ اگرچہ شوق کی آگ بھی دل کو جلانے والی ہے مگر وصال کی امید پر عاشق جیتے ہیں اور ہجر وفراق کی راتوں کو تڑپ تڑپ کر گزارنے میں انھیں لطف ملتا ہے۔ امید بہر حال کیف بخش ہوتی ہے اور مایوسی دل کی موت ہے۔ امید وصل اسی وقت تک سرور وطمانیت کا موجب رہتی ہے جب تک دلوں میں شوق کی آگ بھڑکتی رہے جب یہ آگ بھی ٹھنڈی ہوجائے تو مایوسی دل پر چھا جاتی ہے اور انسان ایک چلتا پھرتا لاشہ رہ جاتا ہے۔ پس امید کی شمع جلائے رکھنے کے لیے بھی موسیقی جائز ہے بشرطیکہ محبوب وہی ہے جس کا وصال شرعاً مباح ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی منکوحہ یا لونڈی پر عاشق ہو تو وہ آنکھوں کو اس کے دیدار سے اور کانوں کو اس کی ترنم ریز آواز سے لطف ملتا ہے پس اگر وہ اس کی موسیقی سنتا ہے تو اس کے کانوں کو ایک کیف آور نشاط ملتا ہے اور اس کا دل وصل وفراق کے نکات سمجھنے لگتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لہو ولعب ہے مگر متاعِ دنیا سب کی سب لہو ولعب ہی تو ہے۔

وما الحیوۃ الدنیا الا لھو و لعب مگر یہ لہو و لعب مباحات میں سے ہے۔ اسی طرح اگر اس سے لونڈی چھن جائے یا کسی اور وجہ سے جدا ہو جائے تو اسے جائز ہے کہ اپنے شوق کی تحریک موسیقی سے کرے اور راگ سے امید وصل کا چراغ روشن رکھے۔ لیکن اگر اس لونڈی کو اس نے فروخت کر دیا ہو یا بیوی کو طلاق دیدی ہو تو اس صورت میں موسیقی کو شوق کی تحریک کے لیے استعمال کرنا حرام ہوگا۔ کیونکہ جہاں وصال اور دیدار بھی جائز نہیں وہاں تحریکِ شوق کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے تصور میں کسی عورت یا لڑکے کو محبوب رکھے حالانکہ ان کا وصل اس کے لیے حرام ہو وہ جو گیت سنے اُسے اپنے تصوّر کے مطابق ڈھالتا جائے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس سے حدود اللہ کو توڑنے کی جسارت پیدا ہوتی ہے۔ اکثر عشاق اور احمق نوجوان غلبۂ شہوت میں ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے جو ان کے حق میں ممنوع ہوں اور اس طرح اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ حدود اللہ کو توڑ بیٹھیں پس موسیقی ان کے لیے حرام ہے۔ اس لیے نہیں کہ موسیقی میں بذاتِ خود کوئی عیب ہے بلکہ محض اس وجہ سے کہ خود ان کے دلوں میں چور چھپا ہوا ہے۔ اور گیت میں اگر محبوب سے محبوبِ حقیقی مراد ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی محبوبِ مجازی مراد لیتے ہیں۔ کسی دانا سے عشق کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا "عشق ایک نشہ ہے جو انسان کے دماغ پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہ جماع سے ختم ہو جاتا ہے اور سماع سے بڑھتا رہتا ہے۔"

۷۔ عشاقِ حقیقی کی موسیقی

اس دنیا میں وہ نفوسِ قدسیہ بھی موجود ہیں جو ہر چیز میں محبوبِ حقیقی کی جھلک پاتے ہیں اور ہر آواز میں انھیں صدائے محبوب کی گونج سنائی دیتی ہے:

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

موسیقی ایسے لوگوں کے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ ہے کیونکہ یہ عشقِ الٰہی کی آگ کو بھڑکاتی ہے اور حُبِّ خداوندی کو پختہ کرتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ ان پاکیزہ دلوں پر موسیقی چقماق کا سا اثر کرتی ہے اور اولیاء اللہ پر ایسے مکاشفات و لطائف غیبی کا ظہور ہوتا ہے جو احاطۂ بیان میں نہیں آسکتے۔ جس نے وہ لذائذ چکھے ہیں وہی ان کی مٹھاس جانتا ہے۔ رہے بدذوق تو وہ ان کی قدر کیا جانیں؟ اُن پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں صوفیاء انھیں "وجد" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لفظ وجود سے ماخوذ ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ موسیقی سُن کر انسان اپنے دل میں ایسے احوال موجود پاتا ہے جن سے وہ پہلے نا آشنا تھا۔ ان احوال کے بعد جو لواحق و توابع ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ دل کو عشق کی آگ سے پھونک دیتے ہیں اور اس کی کدورتیں اس طرح دُھل جاتی ہیں جس طرح سونے یا چاندی کو بھٹی میں ڈال کر کھوٹ نکال دیا جاتا ہے۔ اور اس صفائی کے بعد وہ مشاہدات اور مکاشفات ہوتے ہیں جو عاشقانِ خداوندی کی منزلِ مقصود اور جمیع عبادات کا حاصل ہیں۔ موسیقی چونکہ ان حقائق تک پہنچنے کا راستہ ہے اس لیے اسے بھی اُس وقت عبادت تصوّر کیا جائے گا۔ موسیقی سے یہ احوال اس لیے حاصل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موزون و مناسب نغمات میں اسرارِ روحانی پوشیدہ کر دیے ہیں اور انسانی روحوں کو موسیقی کی تسخیر میں دیدیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اثر سے شوق، حسرت، غم، انبساط اور انقباض کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ نغمات سے روحِ انسانی کیوں متاثر ہوتی ہے؟ یہ سوال علوم مکاشفات کے دقائق میں سے ہے۔ سنگ دل اور غبی آدمی موسیقی کے اصل لطف سے محروم ہے۔ لیکن موسیقی کے اہل کو اس میں عجیب لذت حاصل ہوتی ہے، اور یہی لذت اس پر وجد طاری کر دیتی ہے۔ اس کا حال دگرگوں ہو جاتا ہے۔ رنگ بدل جاتا ہے۔ اور جو لوگ موسیقی کے اہل نہیں وہ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے ہیں۔ ان کا یہ تعجب ایسا ہے جیسے چوپایہ بندر کی لذت پر، نامرد لذتِ شہوت پر، غلام ریاست اور اسباب عیش و تنعم پر۔

اور جاہل لذتِ معرفت پر تعجب کرے اور احمق اس دانا پر تعجب کرے جو اللہ کی عظمت و جلال اور عجائب صنعت کے ادراک پر جھومنے لگے۔ اور ان تمام احوال کا سبب یہ ہے کہ لذت ایک قسم کا ادراک ہے اور اس کے لیے قوتِ مدرکہ ضروری ہے۔ اب جس شخص کی قوتِ مدرکہ کمزور ہوگی وہ لذت یاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص میں قوتِ ذائقہ ہی نہ ہو تو وہ کسی چیز کی مٹھاس سے کیا لطف حاصل کر سکے گا۔ اور جو بہرا ہو وہ آوازوں کی لذت کیسے معلوم کرے۔ جو عقل سے عاری ہو وہ غور و فکر کیسے کر سکے گا۔ اسی طرح موسیقی کی آواز کان میں جاتی ہے تو اس کا ادراک دل کے اندر کی حس باطنی کر سکتی ہے اب جسے وہ حس حاصل نہ ہوگی وہ موسیقی کی لذت سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دیکھے اللہ سے محبت کیسے کی جا سکتی ہے جسے موسیقی حرکت میں لائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو پہچانتا ہے وہ لازماً اس سے محبت کرتا ہے۔ معرفت کے پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ محبت بھی پختہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور جب محبت کی پختگی انتہاء کو پہنچتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ کیونکہ عشق کے معنی فرطِ محبت کے ہیں۔ جب اہل عرب نے نبیؐ کو دیکھا کہ وہ غارِ حرا میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو کہنے لگے:

ان محمداً قد عشق ربہ — محمد صلعم اپنے رب پر عاشق ہو گئے۔

قوت مدرکہ کو جمال سے محبت ہے۔ اور یہ پرتو بھی اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ وہ خود جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ پس اگر جمال ظاہری ہو گا جیسے جسم کا سڈول ہونا اور رنگ کا صاف ہونا تو یہ قوتِ باصرہ سے معلوم ہو گا۔ اور اگر جمال باطنی ہو مثلاً جلال و عظمت، علوم نبوت، اخلاق و عادات، سخاوت اور استقلال وغیرہ تو ان کا ادراک دل کے حاسہ سے ہوتا ہے۔ جمال کا لفظ کبھی باطنی صفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے:

ان فلاناً حسن و جمیل۔ — بیشک فلاں حسین و جمیل ہے

اس فقرہ سے فلاں کی صورت کے اوصاف بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں محمود الاخلاق، جمیل الصفات اور سیرت و کردار کا اچھا ہے۔ بعض اوقات ایک دوسرے سے انہی باطنی صفات کی وجہ سے محبت ہو جاتی ہے جس طرح صورت کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور یہی محبت جب انتہاء کو پہنچتی ہے تو عشق کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ امام شافعی، امام مالک، اور امام اعظم کی محبت میں اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے جان و مال نثار کر سکتے ہیں۔ محبت میں وہ بہت غلو کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر وہ عاشق ہیں جن کی صورت تک انھوں نے کبھی تو نہیں دیکھی۔ مگر ان کا یہ عشق جمالِ ظاہری سے نہیں جمالِ باطنی سے ہے۔ یہ تو انسانوں کے ساتھ انسانوں کی محبت کا حال ہے۔ اب خدا کی محبت پر غور کیجیے۔ انسانوں میں تو محض چند ادنیٰ درجہ کی صفات ہیں اس ذات بلند و بالا کے مقابلہ میں جو مجموعۂ اوصاف ہے۔ دنیا کی تمام خوبیاں اس کا پرتو ہیں۔ کائنات کا سارا جمال اس کے انوار کا ایک قطرہ ہے اور عالم کا سارا حسن اس حسنِ مجسم کا ایک ذرہ ہے۔ ازل سے ابد تک اور ثریا سے تحت الثریٰ تک اس کی صفت کی ایک تعریف ختم نہیں ہوتی۔ جس ذات کے یہ اوصاف ہوں اس سے محبت کس طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ جو لوگ اس کی معرفت حاصل کر چکے ہیں ان کی محبت تو اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ اسے عشق کہنا بھی خطا ہے۔ کیونکہ عشق کا لفظ بھی اس افراطِ محبت کا مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے۔ سبحان اللہ کس قدر عظیم ہے وہ ذاتِ مقدس کہ اس کی شدتِ ظہور ہی اس کے ظہور کا حجاب ہے۔ اور اس کے نور کی پُر جلال نمود ہی آنکھوں کی نقاب ہے۔ اگر اس کی ذات پُر انوار ستر پردوں میں مستتر نہ ہوتی تو اس کے رخ انور کے جلوہ ہائے برق فگن شائقانِ دیدار اور طالبانِ جمال کی بصارت پھونک دیتے۔ اور اگر اس کا ظہور ہی اس کے اخفاء کا سبب نہ بنتا تو عقلیں متحیر ہو جاتیں، دل پریشان ہو جاتے، قوتیں ابتر ہو جاتیں اور اجزائے حیات منتشر

ہو جاتے۔ اور اگر بالفرض دل پتھر اور لوہے کے ہوتے تب بھی اس کے ادنیٰ انوار تجلی کے سامنے شیشے کی طرح چور ہو جاتے کیونکہ نورِ آفتاب کی ماہیت کی تاب شپرہ میں کہاں ہو سکتی ہے۔

اس بحث کی مکمل تحقیق جلد چہارم میں محبت کے باب میں ہوگی۔ اور ثابت کیا جائے گا کہ غیر اللہ کی محبت قصور بلکہ جہالت ہے۔ اور عارف خدا کے بغیر کسی سے محبت نہیں رکھتا کیونکہ حقیقت میں سوائے اللہ اور اس کی صنعت کے کوئی چیز موجود نہیں۔ پس جو کوئی کائنات کی تمام چیزوں کو مصنوعاتِ الٰہی سمجھے گا وہ مصنوعات کو دل نہیں دے بیٹھے گا بلکہ اس کی محبت صانع سے ہوگی۔ مثلاً جو شخص امام شافعی کا معتقد ہے وہ جب ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا تو اسے اُن کاغذوں سے، قلم دوات سے اور کتاب کی جلدوں سے محبت نہیں ہوگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ امام کے منتظم عربی الفاظ کو ہی دل دے بیٹھے اور خود امام سے محبت نہ کرے۔ ان چیزوں سے وہ محبت نہیں کرے گا۔ ہاں انھیں محض اس لیے عزیز رکھے گا کہ وہ اس کے محبوب (یعنی امام شافعی) کی چیزیں ہیں۔ اسی طرح جو شخص کائنات کی تمام اشیاء کو مصنوعاتِ خداوندی سمجھے گا تو وہ ان مصنوعات میں صانع کی صفات دیکھے گا۔ جس طرح کسی کتاب کی خوبی کا اعتراف اصل میں مصنف کی لیاقت کا اعتراف ہے۔ اور کسی کتاب کو عزیز رکھنا اصل میں مصنف سے محبت کرنا ہے اسی طرح اللہ کی مصنوعات کے اوصاف کا اعتراف خود اللہ کی قدرتِ مطلقہ کا اعتراف ہے اور مصنوعات کو عزیز اسی صورت میں سمجھا جاتا ہے جب خالق سے محبت ہو۔ عشقِ الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شرکت قبول نہیں کرتا۔ اس کے سوا جتنے عشق ہیں وہ شرکت قبول کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے محبوب بھی ہیں ان کی نظیر ممکن ہے خواہ وجود میں ہو خواہ امکان میں۔ مگر محبوبِ حقیقی کا ثانی امکان اور وجود میں ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی محبت، کو عشق کہنا مجازی اندازِ بیان ہے حقیقی تعبیر نہیں۔ ہاں جن لوگوں کی

ذہنیت چوپایوں کی سی ہے۔ وہ عشق کے ساتھ وصال کی طلب کو لازم سمجھتے ہیں اور وصال کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اجسام ظاہری کا اتصال ہو۔ اور شہوت پوری ہو جائے۔ ایسے گدھوں کے سامنے عشق و محبت اور وصل و شوق جیسے پاکیزہ الفاظ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ چوپایوں کے آگے نرگس و ریحان کو نہیں بکھیرا جاتا بلکہ صرف گھاس بھوسہ اور شاخوں کے پتے رکھ دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہیئں جن سے سننے والوں کو اپنی خواہشات کے مطابق وہم لاحق نہ ہو پس موقع و محل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے:

با ہیچ نفہم لافِ معنی چہ زنی طفلانہ بطفل گفتگو باید کرد

پھر سننے والے کے ظرف کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر ایسا وجد طاری ہو کہ اس کا دل پھٹ جائے۔ ابوہریرہ روایت کرتے ہیں

انہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر غلاما کان فی بنی اسرائیل علی جبل فقال لامہ من خلق السماء قالت اللہ عزّ وجل قال فمن خلق الارض قالت اللہ عزّ وجل قال فمن خلق الجبال قالت اللہ عزوجل قال فمن خلق الغیم قالت اللہ عزوجل قال انی لاسمع للہ شانا ثم رمی بنفسہ من الجبل فتقطع[1]

. . . .

. . . .

نبی صلعم نے ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ پہاڑ پر تھا۔ اس نے ماں سے پوچھا "آسمان کس نے پیدا کیا"۔ ماں نے جواب دیا "اللہ نے"۔ اس نے پوچھا "زمین کس نے بنائی"۔ ماں نے کہا "اللہ نے"۔ پھر پوچھا "پہاڑ کس نے پیدا کیے"۔ ماں نے جواب دیا "اللہ نے"۔ اس نے پھر پوچھا "بادل کس نے پیدا کیا"۔ ماں نے کہا "اللہ نے"۔ اس نے کہا "اللہ کی یہ شان ہے؟" اور یہ کہہ کر اس نے پہاڑ سے چھلانگ لگائی اور زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۱۔ رواہ ابن حبان

غالباً اس کا سبب یہی ہوگا کہ جب اس نے خدا کی قدرت و جلال کی باتیں سنی ہوں گی تو اس پر وجد طاری ہوگیا اور وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔

تمام کتب سماویہ اسی لیے اتری ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لوگ طرب کریں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے انجیل میں یہ عبارت دیکھی:

غنینا لکم فلم تطربوا وزمرنا لکم فلم ترقصوا وشوقناکم بذکر اللہ تعالیٰ فلم تشتاقوا

ہم نے تمہارے سامنے گایا مگر تم نے طرب نہ کیا اور ہم نے مزامیر بجائے مگر تم نے رقص نہ کیا یعنی ہم نے تمہیں اللہ کے ذکر کا شوق دلایا مگر تم مشتاق نہ ہوئے۔

بس یہی وہ بحث ہے جو ہم نے موسیقی کی اقسام، اسباب اور اباحت کے متعلق چھیڑی تھی۔ یقیناً ثابت ہوچکا ہے کہ بعض مقامات و حالات میں موسیقی مباح ہے بعض میں مستحب۔ اب ہم موسیقی کی حرمت کے عوارض پر بحث کریں گے۔

موسیقی کی حُرمت کے عوارض

پانچ عوارض کی بنا پر راگ حرام ہے۔ اول یہ کہ گانے والی عورت ہو جسے دیکھنا حلال نہ ہو۔ اور اس کا راگ سننے سے فتنہ کا احتمال ہو۔ بے ریش لڑکے کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے جب اس کا گانا سننے سے فتنہ کا احتمال ہو۔ مگر یہ حرمت ایسی حرمت نہیں جو موسیقی سے مخصوص ہو بلکہ اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے کلام سے بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو نہ اس سے کلام کرنا درست ہے نہ تلاوت میں اس کی آواز سننا جائز ہے۔ لڑکے کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت یا حسین لڑکے کا گانا مطلق حرام ہے یا وہیں اس کی حرمت ثابت ہوگی جہاں فتنہ کا احتمال ہو؟ فقہ کی رو سے یہ مسئلہ دو احتمال رکھتا ہے اور دو اصولوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ اجنبی عورت سے تنہائی میں کلام کرنا بلکہ اس کی صورت تک دیکھنا حرام ہے خواہ فتنہ کا احتمال ہو خواہ نہ ہو۔ اس لیے کہ خود یہ امر ہی محلِ فتنہ تھا اس لیے شریعت نے اسے حرام ٹھہرا دیا۔

دوسری اصل یہ ہے کہ لڑکوں کو دیکھنا مباح ہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکوں کا حال عورتوں کی طرح عام نہیں بلکہ ان کے متعلق احتمال فتنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ عورت کی آواز دونوں اصولوں پر منطبق ہو سکتی ہے۔ اگر اسی چیز پر قیاس کیا جائے کہ اس کا دیکھنا ہی حرام ہے تو آواز سننے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہی قرین قیاس ہے۔ مگر دیکھنے اور آواز سننے میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ اسے دیکھنے سے ہی شہوت بھڑک اٹھتی ہے اور آواز سننے کی داعی نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں آواز سننے سے زیادہ دیکھنے سے شہوت بھڑکتی ہے۔ اور عورت کے راگ کے بغیر آواز شہوت کی محرک نہیں

ہوتی کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں عورتیں مردوں سے باتیں کرتی تھیں۔ سلام، استفتاء اور مشورے کرتی تھیں۔ اصل میں مجرد آواز نہیں بلکہ راگ ہی شہوت کی تحریک میں زیادہ متاثر ہے۔ لڑکوں کے معاملہ میں بھی راگ کو دیکھنے سے مؤثر سمجھا جائے گا کیونکہ جس طرح مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں ویسا ہی عورتوں کو آواز مخفی رکھنے کا حکم نہیں اس صورت میں قرین قیاس یہی ہے کہ راگ کے معاملہ میں فتنہ کے احتمال پر ہی بات منحصر ہونی چاہیے۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کی وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جس میں کہا گیا کہ دو لڑکیاں گا بجا رہی تھیں اور رسولِ خدا صلعم نے ان کی آواز سے احتراز نہ کیا بلکہ سنتے رہے۔ کیونکہ آپؐ کو فتنہ کا خوف نہ تھا۔ غرضیکہ اس کا حال عورت اور مرد کے احوال کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ جوان کا اور حکم ہوگا۔ بوڑھے کا اور۔ ایسے حالات میں احکام مختلف ہونا کچھ بعید نہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار بوڑھا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو جائز ہے اور جوان کا بوسہ لینا درست نہیں کیونکہ روزہ کی حالت میں بوسہ جماع کا مقتضی ہو سکتا ہے۔ اور وہ ممنوع ہے۔ اسی طرح راگ بھی دیکھنے اور قربت کا مقتضی ہوتا ہے پس اس کی حرمت بھی ہر شخص کے حق میں جدا حکم رکھتی ہے۔

دوم یہ کہ آلاتِ موسیقی ایسے ہوں جو مے خواروں یا مخنثوں کا شعار ہوں۔ جیسے مزامیر، طبل، کوبہ اور زنار کے باجے۔ ان تین کے سوا باقی تمام اپنی اصل پر ہیں یعنی مباح ہیں۔ جیسے دف جس میں جھانجھ ہوں، نقارہ، شاہین، لکڑی پر گت بجانا اور دوسرے آلاتِ موسیقی۔ اور اگر مزامیر، طبل کوبہ اور تار کے باجے ہوں تو وہ حرام ہیں۔

تیسری حرمت یہ ہے کہ گیت میں خرابی ہو یعنی اگر اشعار میں فحاشی، بے حیائی اور ہجو ہو یا ایسی باتیں ہوں جو اللہ، رسولؐ اور صحابہ پر افتراء ہوں جیسے رافضی صحابہ کی شان میں گستاخی کی باتیں گھڑ لیتے ہیں تو ایسی باتیں گائی جائیں یا ویسے کہی جائیں ہر حال میں حرام ہیں۔ اور اس گناہ میں سننے والا بھی کہنے والے کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ یا وہ

اشعار جن میں کسی خاص عورت کے اوصاف ہوں۔ کیونکہ عورت کا ذکر مردوں کے سامنے جائز نہیں۔ جس سے اس کے اعضاءِ بدن کا حال معلوم ہو۔ لیکن کفار اور بدعتیوں کی ہجو جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلعم نے کفار کی ہجو کرنے کے لیے حسان بن ثابتؓ کو اجازت دی تھی۔

رہے تشبیب کے وہ اشعار جنھیں قصائد کی ابتداء میں لانا شعراء کا معمول ہے۔ تو ان میں تامل ہے اور صحیح یہ ہے کہ انھیں موزوں کرنا اور پڑھنا خواہ راگ سے ہو خواہ بغیر راگ کے حرام نہیں اور سننے والے کو چاہیے کہ انھیں کسی متعین حسینہ پر منطبق نہ کرے۔ اس طرح کے تصوّر سے وہ گناہگار ہوگا۔ اور جس شخص کی یہ حالت ہو کہ وہ ایسے اشعار سن کہ انھیں کسی خاص عورت پر منطبق کرنے کی کوشش کرے اسے موسیقی کے قریب بھی نہیں آنا چاہیے۔ اس لیے کہ جس شخص پر عشق کا بھوت سوار ہوتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے اُسے اپنی محبوبہ کی مدح پر ڈھال لیتا ہے خواہ الفاظ اس کے اپنے مفہوم کے متحمل ہوں یا نہ ہوں۔ مثلاً جس کے دل پر عشقِ الٰہی غالب ہو وہ زلفوں کی سیاہی کو کفر کی تاریکی سمجھتا ہے۔ رخساروں کی تازگی اور سفیدی کو نورِ ایمان سے تعبیر کرتا ہے۔ ذکرِ وصال سے دیدارِ خداوندی مراد لیتا ہے۔ فراق سے خدا کی ناراضگی کا مفہوم سمجھتا ہے اور رقیب سے دنیاوی علائق و عوائق مراد لیتا ہے۔ جو اسے اللہ کے ذکر سے غافل کرتے ہیں۔ ان الفاظ کو اس قسم کے مفہوم پر ڈھالنے میں اسے تامل و تفکر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو باتیں اس کے دل پر غالب ہوتی ہیں وہ کسی لفظ کے ساتھ ادنےٰ سی مناسبت پر جھٹ ذہن میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار سے گذر رہے تھے تو ان کے کانوں میں یہ آواز آئی "خیار۔ پیسے کے دس"۔ ان پر وجد طاری ہوگیا۔ کسی نے جو حال پوچھا تو کہا "جب خیار (صالح لوگ) پیسے کے دس ہیں تو اشرار (بُرے لوگ) کی کیا قیمت ہوگی" یعنی خیار جس کے معنی کھیرا تھے اس سے انھوں نے خیار جمع خیر بمعنی بہتر مراد لیا۔ ایک اور بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار میں کسی کو سعتری بری

(جنگی بودینہ) کی آواز لگاتے سنا تو جھٹ ان پر وجد طاری ہو گیا۔ کسی نے پوچھا تو کہا "میں نے سنا گویا وہ کہتا ہے" اسع تر بری" (یعنی کوشش کر میرا سلوک دیکھے گا)۔ حتیٰ کہ بعض مواقع پر عرب کے اشعار سن کر اہل فارس کو وجد آجاتا ہے اس لیے کہ عربی کے بعض الفاظ فارسی ہم تلفظ اور ہم وزن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ان سے اپنی زبان کے مطابق مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً کسی نے یہ مصرع پڑھا

وما زارنی فی اللیل الا خیالہ

(رات کو محبوب کے خیال کے سوا کوئی میرے پاس نہ آیا)

اس پر ایک فارسی وجد کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگا "اس شخص نے کہا ہے" مازاریم "یعنی اس نے عربی کے "ما" نافیہ کو فارسی کی ضمیر جمع متکلم خیال کیا، اور "زار" فارسی میں نحیف اور قریب الموت کو کہتے ہیں۔ تو خیال کیا یہ شخص یوں کہتا ہے "ہم سب آمادۂ ہلاکت ہیں"۔ پھر اس کے دل میں آخرت کی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا اور وہ وجد کی حالت میں تڑپنے لگا۔ جو شخص آتشِ عشق میں جل رہا ہو اس کا وجد اس کی فہم کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اس کی فہم اس کے خیال کے مطابق ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کا خیال شاعر کے خیال کے مطابق ہو۔ اس طرح کا وجد درست ہے کیونکہ آخرت کے خوف سے عقل کا مختل اور اعضاء کا مضطرب ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ عشاقِ حقیقی تشبیب کے الفاظ کو بدل کر اپنی مراد کے مطابق معنی پہنا سکتے ہیں۔ لیکن کج رو نوجوان تو اپنے مزاج کے مطابق سیدھی بات کو بھی الٹے معنے پہنا لیتے ہیں اور موسیقی کا ہر زیر و بم ان کے لیے شہوت بھڑکانے کا سبب بنتا ہے:

چو شوریدگاں می پرستی کنند | بر آوازِ دولاب مستی کنند

پس جس شخص پر مخلوق کا عشق غالب ہو اُسے راگ سے احتراز کرنا چاہیے۔

چوتھا عارضۂ حرمت بھی اسی تیسرے عارضہ سے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ سننے والے پر اگر شہوت غالب ہو اور وہ عین بہارِ شباب میں ہو تو اس کو راگ سننا حرام ہے۔ خواہ اس کے دل میں کسی معین شخص کی محبت ہو یا نہ ہو کیونکہ چاہے وہ کسی حال میں ہو جب زلف و رخسار کے اوصاف اور فراق و وصال کے گیت سنے گا تو اس کی شہوت متحرک ہو گی اور وہ ان الفاظ کو کسی معین شکل پر ڈھالے گا۔ جس کو شیطان اس کے دل میں پھونک دے گا اس طرح شہوت کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ یہ شیطان کے لشکر کا تعاون کرنا ہے اور عقل کو جو اللہ کا لشکر ہے شکست دینا ہے۔ دل میں اللہ کے لشکر یعنی نورِ دانش اور شیطان کے لشکر یعنی شہوت میں ہمیشہ جنگ بپا رہتی ہے۔ بجز اس دل کے جس میں ایک لشکر فتح حاصل کر چکا ہو اور دوسرا بالکل مغلوب ہو گیا ہو کیونکہ ایسی صورت میں جنگ موقوف ہو جاتی ہے اور اب تو اکثر دل ایسے ہی ہیں جن میں شیطان کی فتح کے جھنڈے نصب ہیں۔ ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ اللہ کے لشکر کی اعانت کی جائے اور اسے ہتھیار مہیا کیے جائیں تاکہ شیطان کا لشکر میدان کو پیٹھ دکھا دے۔ نہ یہ کہ شیطان کے لشکر کی اعانت کی جائے۔ اُسے ہتھیار مہیا کیے جائیں۔ اس کی تلواروں کی دھاریں فسان پر رکھ کر تیز کی جائیں۔ اس کی برچھیاں نکیلی کر دی جائیں۔ ایسا کرنے والے لوگوں کو موسیقی کی مجلس سے نکل جانا چاہیے ورنہ اسے طبعی فساد کی وجہ سے موسیقی اور زیادہ نقصان پہنچائے گی۔

پانچواں عارضۂ حرمت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض کرو ایک شخص ہے نہ اس پر خدا کی محبت غالب ہے کہ راگ اسے اچھا معلوم ہو اور نہ اس پر شہوت غالب ہے کہ راگ اس کے حق میں ممنوع ہو۔ اس شخص کے حق میں سماع اگرچہ مباح ہے لیکن اگر ایک گناہ گار اسے ہمیشہ کے لیے عادت بنائے گا اور اپنا اکثر وقت اسی میں صرف کرے گا تو بھی احمق ہے جس کی گواہی مقبول نہ ہو گی اس لیے کہ لہو و لعب پر مواظبت گناہ ہے۔ جس طرح گناہ صغیرہ

بار بار کے اعادہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مباح بار بار کے اعادہ سے گناہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً حبشیوں کے ساتھ لگے پھرنا اور ہمیشہ ان کے کھیل تماشے دیکھنا ممنوع ہے اگرچہ اس کی اصل ممنوع نہیں کیونکہ نبی صلعم نے بھی یہ تماشا دیکھا ہے۔ اسی طرح شطرنج کھیلنا مباح ہے لیکن ہمیشہ کھیلنا سخت مکروہ ہے۔ مباح اس لیے ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے لیے اس سے شغل کر کے طبیعت کو آرام اور سکون دیا جائے اس لیے نہیں کہ سارا وقت ہی اس کی نذر کر دیا جائے۔ بعض اوقات مباح ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ دل کو راحت پہنچانا ہی اس کا علاج ہو تاکہ تھوڑا آسنا کہ باقی وقت دنیا کے کاموں میں جدوجہد کرے۔ کاروبارِ تجارت میں مشغول ہو یا دینی کاموں میں وقت گزارے۔ بہت سی مشقت میں کھیل کو یوں سمجھنا چاہیے جیسے رخسار پر تل ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ سیاہ ہوتا ہے مگر حسن میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور اگر رخسار تلوں سے اس قدر بھر جائے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہے تو رخسار بہت بدصورت اور مکروہ ہو جائے گا۔ جو چیز پہلے قلیل ہونے کی صورت میں باعثِ حسن تھی وہی اب کثیر ہونے کی صورت میں بدصورتی ہو گئی۔ یہ بات نہیں کہ جس چیز کی قلیل مقدار اچھی ہو اس کی کثیر مقدار بھی اچھی ہی رہے۔ یا جو چیز تھوڑی مقدار میں مباح ہے وہ زیادہ مقدار میں بھی مباح رہے بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز اپنی کثرت کے باعث کراہیت بلکہ حرمت تک پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً روٹی مباح ہے لیکن روٹی کثرت سے کھانا حرام ہے۔ تو سماع بھی دوسرے مباحات کی طرح ہے کہ کبھی کا کوئی مضائقہ نہیں لیکن روزمرہ کا معمول بنا لینا مکروہ و ممنوع ہے۔

اب آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب سماع بعض حالات میں مباح ہے اور بعض میں مباح نہیں تو ہم نے اسے مباح مطلق کیوں کہہ دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کا اطلاق اس تفصیل میں ممنوع ہے جو خود اس شے میں دوسرے عوارضات کے بغیر پائی جائے اور جو تفصیل عوارض کے سبب سے پیدا ہوئی ہو تو اس میں مطلق بیان کر دینا ممنوع نہیں دیکھیے اگر کوئی ہم سے سوال کرے کہ شہد حلال ہے یا نہیں تو ہم کہیں گے یہ حلالِ مطلق ہے حالانکہ

وہ اس گرم مزاج والے پر حرام ہے جس کے لیے یہ مضر ہو۔ اور اگر کوئی ہم سے شراب کا حال پوچھے تو ہم یہی کہیں گے کہ وہ حرام ہے حالانکہ وہ اس شخص کے حق میں حلال ہے جس کے گلے میں لقمہ اٹک جائے اور اُسے نیچے اتارنے کی کوئی دوسری چیز اس کے پاس نہ ہو۔ لیکن اس وجہ سے کہ وہ شراب ہے مطلق ہے صرف حاجت کے لحاظ سے حلال ہوئی۔ اور شہد اس اعتبار سے کہ وہ شہد ہے حلال ہے۔ حرام صرف ضرر عارض کرنے سے ہو جاتا ہے۔ اور جو بات عارض کی وجہ سے ہوتی ہے تو عارض کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً بیع حلال ہے لیکن اگر جمعہ کی اذان ہو جائے تو حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے عوارض سے حرمت ہو سکتی ہے۔ مگر ان پر التفات نہیں کیا جا سکتا۔ پس موسیقی کا بھی یہی حال ہے اگر عوارضات کے بغیر دیکھو تو مطلق مباح ہے اور اس کی حرمت صرف امرِ خارجی سے ہو جاتی ہے جو اس کی حقیقت ذاتی میں داخل نہیں۔ پس جب کہ دلیلِ اباحت کی وضاحت ہو گئی تو اب ہمیں اس شخص کی پروا نہیں جو دلیل واضح ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی سے کام لے اور امام شافعی کا تو مذہب ہی نہیں کہ گانے کو حرام کہیں اور انھوں نے یہ تصریح کی ہے کہ جو آدمی موسیقی کو پیشہ بنا لے اس کی گواہی درست نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُس قسم کا مکروہ ہو گا جو باطل کے مشابہ ہو۔ اور جو ایسے امر کو پیشہ بنائے گا تو سفاہت اور بے مروتی کی طرف منسوب ہو گا۔ ویسے اگر کوئی موسیقار کبھی کبھی گا کر اپنے اور دوسروں کے دل کو خوش کرتا ہے تو یہ امر نہ مروّت کو ساقط کرتا ہے نہ اس کی گواہی باطل ہوتی ہے۔ اور امام شافعی نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں دو لڑکیوں کے گانے اور دف بجانے کا ذکر ہے۔

یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں "میں نے امام شافعی سے پوچھا کہ اہل مدینہ راگ کو مباح سمجھتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے۔" تو آپ نے فرمایا "علمائے حجاز میں سے میرے علم کے مطابق کسی نے بھی راگ کو حرام نہیں کہا ہاں بعض نے اس راگ کو حرام کہا ہے جو اوصاف کے بارے میں ہو مگر حدی، منازل اور ان کے آثار کا شعروں کے نغمات کی

طرح گانا مباح ہے۔"

اور یہ جو امام صاحب نے کہا کہ " یہ مکروہ کھیل ہے جو باطل سے مشابہت رکھتا ہے" تو ان کا اسے کھیل کہنا درست ہے۔ مگر کھیل بحیثیت کھیل ہونے کے تو حرام نہیں۔ چنانچہ حبشیوں کے کرتب اور ان کا رقص بھی تو ایک کھیل تھا حالانکہ اسے نبی صلعم نے دیکھا اور اس سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ کھیل کے اگر یہ معنی لیے جائیں کہ" ہر ایسا کام جس میں کوئی فائدہ نہ ہو کھیل ہے۔" تو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ بھی مواخذہ نہیں کرے گا مثلاً اگر کوئی آدمی اپنے لیے یہ وظیفہ مقرر کرلے کہ روزانہ سو مرتبہ اپنا ہاتھ سر پر رکھے گا تو حرکت اگرچہ بے فائدہ اور عبث ہے مگر اللہ اسے اس کی سزا نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ" تو جب کسی چیز کا عزم کیے بغیر خدا کی قسم کھا لینے پر مواخذہ نہیں تو یہ شعر اور رقص پر مواخذہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اور یہ جو امام شافعی نے کہا کہ یہ باطل کے مشابہ ہے تو اس سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اب تو باطل کے مشابہ کہا ہے اگر باطل بھی کہہ دیتے تب بھی حرمت ثابت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ باطل اس کو کہتے ہیں جس میں فائدہ نہ ہو۔ تو فقط اتنا ثابت ہو گا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے میں نے اپنے آپ کو تیرے ہاتھوں بیچ دیا اور وہ جواب دے میں نے خرید لیا تو اس معاملہ کو باطل کہا جائے گا بشرطیکہ مقصود دل لگی اور مذاق ہو۔ تو کیا یہاں" باطل" کے لفظ سے حرام کے معنی مراد لیے جائیں گے۔ ہرگز نہیں ہاں اگر اس معاملہ سے وہ شخص اس کے حقیقی معنی مراد لے لے اور اپنے آپ کو مملوک ٹھہرا لے تو حرام ہو گا کیونکہ شریعت نے اس سے منع کر دیا ہے۔

اور یہ جو امام صاحب نے کہہ دیا کہ مکروہ ہے تو اس کی کراہت انہی عوارضات کی وجہ سے ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یا کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہو گی۔ جیسے

انھوں نے شطرنج کھیلنے کی تصریح فرما دی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ "میں ہر ایک کھیل کو مکروہ سمجھتا ہوں" اور انھوں نے جو علت بیان کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ کراہت تنزیہی کی طرف ہے۔ یعنی آپ نے وجہ کراہت یہ بیان کی یہ امر دینداروں اور اہل مروت کی عادت کے خلاف ہے اور راگ پر مواظبت کرنے سے جو آپ نے گواہی رد کرنے کا ارشاد کیا تو اس سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہادت تو اس آدمی کی بھی فقہار نے رد کرنے کو لکھا ہے جو بازار میں چلتے ہوئے کوئی چیز کھائے۔ اسی طرح نوربانی مباح ہے مگر اسے اہل مروت کا پیشہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ بیانِ علت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ دوسرے ائمہ نے بھی اسے مکروہ تنزیہی کہا ہوگا۔ اور اگر انھوں نے مکروہ تحریمی کہا ہے تو ہم نے جو دلائل دیئے ہیں وہ ان کا جواب ہیں۔

موسیقی کی حرمت کے دلائل اور اُن کا تجزیہ

اب ہم ان لوگوں کے دلائل نقل کریں گے جو راگ کو حرام کہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ان دلائل کے جوابات بھی لکھتے جائیں گے۔

قائلین حرمت کی پہلی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ میں ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ — اور کچھ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے

ابن مسعود، حسن بصری اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ لھوا لحدیث موسیقی ہے۔ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رض سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا

إنّ الله تعالى حرم القينة وبيعها وثمنها وتعليمها [1] — اللہ تعالیٰ نے گانے والی لونڈی کو اور اس کی فروخت کو، اس کے داموں کو اور اس کی تعلیم کو حرام کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں گانے والی لونڈی سے وہ لونڈی مراد ہے جو شراب کی مجلس میں مردوں کے سامنے گائے۔ اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اجنبی عورت کا ایسے لوگوں کے سامنے گانا جن سے فتنہ کا احتمال ہو۔ اور فاسقوں کے سامنے گانا حرام ہے۔ دوسرے اہل عرب لونڈیوں سے فحش گانے سنتے تھے اور انہی گیتوں کی وجہ سے اس کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ اگر صرف مالک اس کا گانا سنے تو قائلین حرمت

۱۔ اس روایت کو طبرانی نے ضعیف اسناد سے اوسط میں روایت کیا۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث خلل سے محفوظ نہیں۔

اُسے حرام نہیں کہہ سکتے بلکہ مالک کے سوا دوسرے لوگوں کو بھی اس کا راگ سننا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو۔ ہمارے جواب کی دلیل وہی روایت ہے جس میں خود عائشہؓ دو لڑکیوں کے گانے بجانے کا ذکر کرتی ہیں۔

اور آیت میں جو لہو الحدیث کا خریدنا مذکور ہے تو وہ بدل ہے اس بات سے کہ اگر وہ اس طرح اللہ کی راہ سے لوگوں کو ہٹائے تو واقعی بُرا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ مگر ہر غناء ایسا نہیں کہ دین کے بدلہ میں خریدا جائے اور وہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے ہٹائے۔ پس آیۂ مذکور میں ایسے ہی کھیل کی حرمت کا ذکر ہے۔ اور ایک موسیقی پر کیا موقوف ہے اگر کوئی شخص قرآن کو اس نیت سے پڑھے کہ لوگ گمراہ ہوں تو اس کا پڑھنا بھی حرام ہوگا۔ چنانچہ کسی منافق کا ذکر ہے کہ وہ کہیں امام بنا ہوا تھا اور ہمیشہ سورۂ عبس پڑھتا تھا محض اس نقطۂ نظر سے کہ اس میں رسول خدا صلعم پر عتاب ہے۔ فاروق اعظمؓ نے اس کے اس فعل کو حرام سمجھا اور اس خیال سے اس کے قتل کا ارادہ کیا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا تھا۔

پس اگر شعر اور راگ سے بھی یہی مقصود ہو کہ لوگوں کو حق کی راہ سے ہٹایا جائے تو یہ بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ	کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو
وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ	اور رونے کی بجائے کھیل کرتے ہو۔

ابن عباس کا قول ہے کہ حمیری لغت میں "سمد" کے معنی راگ کے ہیں۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس آیت سے غناء کی حرمت ثابت ہوتی ہے تو لازمی ہے کہ ہنسنا بھی حرام ہو۔ اور اگر کہا جائے کہ یہاں ہنسنے سے وہ مخصوص ہنسی مراد ہے جو کفار مسلمانوں سے کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں یہاں راگ سے بھی وہ مخصوص راگ مراد ہے جس میں مسلمانوں سے تمسخر اور ان کی ہجو

ہو۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (اور شاعروں کی اتباع وہی کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں)۔ ظاہر ہے کہ یہاں کفار شعراء کے متعلق کہا گیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ شعر کہنا بنفسہٖ حرام ہے۔

ان کی تیسری دلیل جابر کی روایت ہے۔ جس میں رسول خدا صلعم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے

کان ابلیس اول من ناح واول من تغنیٰ[1] — سب سے پہلے ابلیس نے نوحہ کیا اور راگ گایا

اس روایت میں نوحہ اور غناء دونوں کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نوحہ میں سے ہم نے داؤد علیہ السلام کا نوحہ اور گناہ گاروں کا اپنی خطاؤں پر نوحہ مستثنیٰ کیا تھا۔ اس روایت میں یہ دونوں قسم کے نوحے شامل نہیں کیے جاسکتے۔ اسی طرح وہ راگ بھی مستثنیٰ کیا جائے گا جس سے سرور اور حزن اور مباح چیزوں کی طرف شوق کی تحریک ہوگی۔ جیسے عید کے روز لڑکیاں گاتی رہیں اور نبی صلعم سنتے رہے۔ اور جس روز آپؐ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں نے یہ گیت گایا:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

(وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر بدر کامل طلوع ہوا۔ ہم پر اس وقت تک شکر کرنا واجب ہوا جب تک دعا کرنے والا دعا کرے)

ان کی چوتھی دلیل ابو امامہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلعم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

ما رفع احد صوتہ بغناء الا بعث اللہ لہ شیطانین علیٰ منکبیہ یضربان باعقابہما علیٰ صدرہ حتی یمسک[1] — آپؐ نے فرمایا جب کوئی شخص راگ میں اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو شیطان اس کے کندھوں پر بٹھا دیتا ہے وہ دونوں اپنی ایڑیاں اس کے

۱۔ جابر سے اس کی اصل کہیں نہیں ملی۔ صاحب فردوس نے اسے ذکر کیا ہے مگر اس کے لڑکے نے اپنی مسند میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

سینہ پر اس وقت تک مارتے رہتے ہیں جب تک
کہ وہ خاموش نہ ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت راگ کی بعض خاص اقسام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثلاً وہ اقسام جن سے شیطان محبت کرتا ہو۔ یعنی جن سے شہوت کی آگ بھڑکے اور غیر اللہ کا عشق ابھرے اور ایسے راگ کو ہم بھی حرام کہہ چکے ہیں۔ رہے خوشی کے مقامات تو ہم نے ان کی تصریح کر دی ہے کہ ایسے مواقع پر موسیقی جائز ہے اور اس کا جواز ان صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے جو ہم نے صحیحین سے نقل کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جواز ایک جگہ بھی آئے تو اباحت کی تصریح ہو جاتی ہے لیکن نہی ہزار جگہ بھی وارد ہو تو تاویل کی بھی محتمل ہوتی ہے اور تنزیہہ کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ مگر فعل میں کوئی تاویل نہیں کیونکہ جس کا کرنا حرام ہے وہ صرف مجبوری کے عارض ہونے سے حلال ہوتا ہے۔ اور جس کا کرنا مباح ہے وہ بہت سے عوارض سے حرام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیت اور عزم کے اختلاف سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

ان کی پانچویں دلیل عقبہ بن عامر کی روایت ہے جس میں رسول خدا صلعم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے[۲]

کل شئ یلھو بہ الرجل فھو باطل الا تادیبہ فرسہ رمیہ بقوسہ وملاعبتہ لامراتہ[۲]	آپؐ نے فرمایا تو جتنی چیزوں سے کھیلتا ہے وہ باطل ہیں سوائے گھوڑا سکھانے تیر پھینکنے اور اپنی بیوی سے چہل کرنے کے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہم پہلے تصریح کر چکے ہیں باطل کہنے سے حرمت مقصود نہیں ہوتی بلکہ بے سود اور بے فائدہ کہنا مراد ہوتا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان تینوں

۱۔ ابن ابی الدنیا نے باب "ذم الملاہی" میں اور طبرانی نے کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے مگر روایت ضعیف ہے۔

۲۔ اصحاب سنن اربعہ نے اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند مضطرب ہے۔

میں داخل رہے گا اور حرام نہ ٹھہرے گا۔ اور محصور میں غیر محصور کو قیاس کی بنا پر ملا لیا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے

لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلث	نہیں حلال خون مسلمان کا مگر تین باتوں میں سے ایک کے سبب یعنی قصاص یا رجم یا ارتداد سے۔

تو اس میں چوتھا پانچواں ملا لیا جاتا ہے۔ بیوی سے چہل کرنا بھی ایسا ہے کہ اس میں لذت کے بغیر اور کوئی چیز مقصود نہیں ہوتی۔ اسی طرح باغوں کی سیر اور پرندوں کے چہچہے سننا اور دوسری کھیلنے کی چیزیں تو ان میں کوئی چیز حرام نہیں تاہم انھیں باطل کہا جا سکتا ہے۔

ان کی چھٹی دلیل امیر المومنین عثمان غنیؓ کا یہ قول ہے آپؓ نے فرمایا

ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی مذ بایعت بها رسول اللہ صلعم	جب سے میں نے رسول خدا صلعم کی بیعت کی ہے میں نے نہ کبھی گیت گایا نہ جھوٹ بولا نہ اپنے دائیں ہاتھ سے عضو تناسل کو چھوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس قول کو حرمت کی دلیل سمجھا جائے تو چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل کو چھونا بھی حرام ہو۔ نہیں تو یہ کیسے ثابت ہوا کہ امیر المومنین عثمان غنیؓ جس چیز کو ترک کرتے تھے حرام ہو جاتی تھی۔

ان کی ساتویں دلیل ابن مسعود کا یہ قول ہے کہ آپؓ نے فرمایا

الغناء ینبت فی القلب النفاق — وزاد بعضهم کما ینبت الماء البقل ورفعه بعضهم الی رسول اللہ صلعم وهو غیر صحیح[1] ۔	راگ دل میں نفاق کو اُگاتا ہے (بعض نے اس کے بعد یہ الفاظ بھی روایت کیے) جیسے پانی ترکاری کو اگاتا ہے۔ بعض نے اسے رسول اللہؐ تک مرفوع کیا حالانکہ اس کا رفع صحیح نہیں۔

۱۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے مگر اس کا رفع نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

اسی سے ملتی جلتی یہ دلیل بھی نقل کی جاتی ہے کہ کچھ لوگ احرام باندھے ابن عمرؓ کے سامنے سے گزرے۔ ان میں سے ایک شخص گانا جاتا تھا۔ آپؓ نے دو مرتبہ فرمایا خدا تمھاری دعا نہ سنے۔

انہی ابن عمرؓ سے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ نافع کہتے ہیں

كنت مع ابن عمر رض فى طريق فسمع زمارة راع فوضع اصبعيه فى اذنيه ثم عدل عن الطريق فلم يزل يقول: يا نافع انسمع ذلك حتى قلت لا فاخرج اصبعيه وقال هكذا رأيت رسول الله صلعم[1]	میں ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپؓ نے ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اس راستہ سے دوسری طرف ہو لیے۔ اور مجھ سے پوچھتے جاتے تھے " نافع کیا وہ آواز سنائی دے رہی ہے "؟ یہاں تک کہ جب میں نے کہا " اب آواز سنائی نہیں دیتی "۔ تو انھوں نے کانوں سے انگلیاں نکال لیں اور فرمایا کہ میں نے دیکھا رسولِ خدا صلعم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اسی طرح فضیل بن عیاضؒ کے اس قول سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

الغناء رقية الزنا	راگ زنا کا منتر ہے

بعض اکابر کا قول ہے

الغناء رائد من رواد الفجور	راگ بدکاری کا ایلچی ہے

یزید بن الولید کا قول ہے

اياكم والغناء فانه ينقص الحياء ويزيد -	راگ سے کنارہ کشی کرو کیونکہ وہ حیا کو کم کرتا ہے

۱۔ ابوداؤد نے یہ روایت نقل کی ہے اور اسے منکر کہا ہے۔

الشهوة ويهدم المروءة وانه ينوب عن الخمر ويفعل ما يفعل السكر فان كنتم لابد فاعلين فجنبوه النساء فان الغناء داعية الزنا۔

شہوت کو بڑھاتا ہے مروت کو گراتا ہے۔ شراب کا قائم مقام ہے اور نشہ کی سی کیفیت طاری کرتا ہے۔ اگر تم سنو بھی تو عورتوں کو اس سے بچاؤ کیونکہ وہ زنا کی طرف بلاتا ہے۔

اب ہم ان تمام اقوال کا جواب دیتے ہیں۔ سب سے پہلے ابن مسعود کا قول لیجیے جس میں راگ کو نفاق کا سبب بتایا گیا ہے۔ یہ قول اصل میں گانے والے کے حق میں ہے کیونکہ اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے لائے اور اپنی آواز سنائے۔ اور وہ لوگوں سے اسی لیے ملتا ہے کہ وہ اس کے راگ کی طرف راغب ہوں اور اس کی موسیقی پر رجھیں۔ یہ نفاق کی بات ہے مگر اس سے حرمت کہاں ثابت ہوئی۔ کیونکہ نفاق اور ریا تو عمدہ پوشاک پہننے، حسین اور مغرور گھوڑے پر سوار ہونے اور اپنی کھیتی اور مال و دولت پر فخر کرنے سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو حرام مطلق نہیں کہا جاتا۔ پس نفاق کے ظہور کے لیے نافرمان دل ہی کافی نہیں بلکہ وہ مباحات بھی ہیں جو لوگوں کے دیکھنے کے ہیں۔ بلکہ جب لوگ دیکھتے ہیں تو دل زیادہ فخر محسوس کرتا ہے۔ پس زیادہ مؤثر چیز یہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک موقع پر فاروق اعظمؓ ایک حسین اور عمدہ چال کے گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ نے دل میں فخر محسوس کیا اور اُتر کر اس کی دُم کاٹ لی۔ پس یہ نفاق مباحات میں سے ہوا۔ مغنی اگر محض اپنا راگ سنانے کے لیے دوسروں کی خوشامد کرتا ہے تو بے شک راگ اس کے نفاق کا سبب ہے۔ لیکن اگر وہ اسے اپنا فن سمجھتا ہے اور کسی کی جائز ناجائز خوشامد نہیں کرتا تو منافق نہیں۔ ہاں اگر وہ اپنا راگ لوگوں کو سنا کر فخر محسوس کرتا ہے تو یہ اسی طرح کا فخر ہے جیسا ایک عمدہ پوشاک پہننے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

ابن عمرؓ کا یہ قول کہ "خدا تیری دعا نہ سنے" موسیقی کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ احرام کی حالت میں تھے اور ایسی بے ہودہ گوئی ان کے شایانِ شان نہ تھی

اور ان کے خیال سے ظاہر تھا کہ ان کا یہ راگ بیت اللہ کی زیارت کا شوق دلانے کے لیے نہ تھا بلکہ صرف لہو کی خاطر تھا تو آپؓ نے احرام کی حالت میں اس کو ناپسند فرمایا۔ کسی واقعہ کی حکایت میں طرح طرح کے احتمال ہو سکتے ہیں۔

بانسری کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں ڈال لینے کا فعل بھی ایسا تھا جس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر اس کی آواز سننا حرام ہوتا تو وہ نافع کو بھی یہی حکم دیتے حالانکہ نافع برابر وہ آواز سنتے آئے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ آپؓ نے نافع کے بانسری سننے پر ناگواری کا اظہار بھی نہ کیا۔ انھوں نے تو صرف اپنے کانوں کو اس آواز سے بچایا۔ اور وہ بھی شاید اس وجہ سے کہ وہ جس فکر میں تھے بانسری کا نغمہ اس سے غافل کر دیتا۔ ممکن ہے وہ ذکر الٰہی میں ہوں کیونکہ صحابہ ہر وقت ذکر الٰہی میں رہتے تھے اور بانسری اس پاک ذکر میں حارج ہو سکتی تھی۔ اسی طرح نبی صلعم کا فعل انھوں نے بیان فرمایا یہ نہیں کہا کہ "مجھے آپؐ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا تھا۔" اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلعم اسے حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے فعل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسے ترک کرنا بہتر ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کا ترک اکثر حالات میں بہتر ہے بلکہ دنیا کی اکثر مباح اشیاء کا ترک بہتر ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ دل کو متاثر کر کے بہتر شغل سے دور رکھیں گے۔ چنانچہ نبی صلعم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابوجہم کا بھیجا ہوا کپڑا اتار ڈالا تھا جس پر نقش و نگار تھے۔ چونکہ اس سے نماز میں آپؐ کا خیال کپڑے کی طرف چلا گیا اس لیے اسے آپؐ نے اتار دینا ہی مناسب سمجھا۔ تو کیا تم یہ سمجھو گے کہ کپڑے پر نقش و نگار حرام ہیں؟ اس وقت بھی نبی صلعم ایسی حالت میں ہوں گے کہ بانسری کی آواز تک مخل ہوتی ہو گی جیسے نقش نے نماز میں حضور کامل سے روکا۔ بلکہ جن لوگوں کو ہمیشہ حق کی حضوری حاصل ہے انھیں راگ کے حیلہ سے وہی حالت پیدا کرنے کی کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ تدبیر غیروں کے لیے کمال ہے۔ اسی لیے حصری نے کہا "میں اس راگ کو کیا کروں کہ گانے والا مر جائے تو وہ موقوف ہو جائے۔" اس کا یہ مطلب ہے کہ راگ سنانے والے

تو مر جاتے ہیں مگر اللہ کا ذکر تو ہمیشہ کے لیے باقی ہے ۔ پس چونکہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سننے اور دیکھنے کی حالت میں رہتے ہیں انھیں کسی اور واسطہ سے تحریک شوق کی حاجت نہیں ہوتی ۔

باقی رہے وہ اقوال جو ہم نے نقل کیے ہیں تو انھیں حرمت کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے جب کہ ان کے خلاف سینکڑوں اصفیاء کے اقوال موسیقی کی تعریف میں نقل کیے جا سکتے ہیں ۔ دوسرے وہ تمام اقوال فاسقوں اور شہوت پرستوں کی موسیقی کے متعلق ہیں ۔ اگر تمام قسم کی موسیقی کا یہی حال ہوتا تو نبی صلعم کے خانۂ اقدس میں دونوں لڑکیوں کا راگ کیوں سنا جاتا ۔

یہ تو ان لوگوں کے نقلی دلائل تھے ۔ رہے عقلی دلائل تو وہ کہتے ہیں کہ جیسے تار کے باجے حرام ہیں ویسے ہی دوسری موسیقی بھی حرام ہے ۔ اس دلیل میں موسیقی اور تار کے باجوں میں مماثلت بیان کی گئی ہے ۔ مگر ان دونوں چیزوں میں بہت فرق ہے ۔ اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں ۔ اب پھر اس تفصیل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ راگ چونکہ لہو ہے اس لیے حرام ہے ۔ ہم کہتے ہیں ویسے تو ساری دنیا لہو ہے ۔ دنیا کی تمام چیزیں لہو ہیں ۔ فاروق اعظم رض نے اپنی زوجہ سے فرمایا تھا

انما انت لعبة فی زاویة البیت — تو گھر کے کونے میں ایک کھلونا ہے

اسی طرح وہ ہنسی مذاق بھی جائز ہے جس میں بے حیائی نہ ہو ۔ مذاق نبی صلعم اور صحابۂ کرام سے منقول ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔ ایسی روایات باب آفات اللسان[1] جلد سوم میں ملیں گی ۔

---

۱ ۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی تمام روایات احیاء علوم الدین جلد سوم باب آفات اللسان میں ذکر کی ہیں ۔

دیسے حبشیوں کے کھیل سے بڑھ کر کونسا کھیل ہے مگر اس کی اباحت نص سے ہو گئی علاوہ ازیں حقیقت یہ ہے کہ کھیل دل کو راحت دیتا ہے اور بارِ غم کو ہلکا کرتا ہے۔ دلوں سے اگر جبراً کوئی کام لیا جائے تب بھی وہ کام تو دیتے ہیں لیکن اگر انھیں کچھ راحت مل جائے تو کام کے وقت چونکہ دل و دماغ تر و تازہ ہوتے ہیں اس لیے وہ بہت زیادہ کام کرتے ہیں۔ مثلاً طالب علم کو چاہیے کہ وہ جمعہ کے روز تعطیل کرے اس لیے کہ ایک روز کی تعطیل پورے ہفتہ تک کے لیے باعث نشاط ہوتی ہے اور دل اکتا تا نہیں۔ اسی طرح جو شخص نوافل پر مواظبت کرے اسے چاہیے کہ کسی وقت سستا لے۔ اسی لیے شریعت نے بعض وقت ایسے مقرر کر دیے ہیں کہ ان میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تعطیل دراصل کام کی معاون ہے اور کھیل دماغ کو تر و تازہ کر کے پہلے سے دگنا کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمیشہ کی جد و جہد اور ہر وقت کی جگر کاوی پر صرف انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ ہی صبر کر سکتے ہیں تو چونکہ کھیل دل کی تھکن اور ماندگی کو دور کرتا ہے اس لیے مباح ہے۔ مگر اس کی کثرت تضیعِ اوقات ہو گی

پس کھیل اگر اس نیت سے اختیار کیا جائے کہ اس سے طبیعت کی اکتاہٹ دور ہوتی ہے تو یہ ثواب ہو گا۔ اسی طرح راگ اگر کسی کے دل میں رغبتِ حق پیدا نہ کرے اور وہ اسے محض طبیعت کی تھکن دور کرنے کے لیے اختیار کرے تو اس کے لیے راگ مستحب ہونا چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ منزل پالے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ امر رتبۂ کمال سے فروتر ہے۔ کیونکہ کامل وہ ہے جسے اپنے نفس کی راحت بھی شغلِ حق میں ملتی ہے۔ مگر چونکہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے خطا کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے اگر راگ مقربین کے حق میں بُرا ہو مگر ابرار کے حق میں کارآمد ہے۔ جو شخص علم "علاج القلوب" سے واقفیت رکھتا ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نافع دواؤں اور لطائف الحیل سے ہی دلوں کو ترقی و عروج کی منازل طے کرائی جاتی ہیں۔

دوسرا باب

موسیقی کے اثرات و آداب

موسیقی کے درجات میں سے پہلا درجہ یہ ہے کہ جو سنا جائے اُسے سمجھا جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اُسے سمجھ کر اس پر وجد طاری ہو۔ تیسرا درجہ ہے وجد کے اثرات سے اعضاء کا متحرک ہونا۔ اب ہم ان تینوں درجات کو الگ الگ فصول میں بیان کریں گے۔

فصلِ اوّل ——— سُننا اور سمجھنا

سننے والوں کی چار کیفیات ہوتی ہیں۔

پہلی کیفیت یہ ہے کہ موسیقی سننا صرف طبعی ہو یعنی بجز نغمات و الحان کی لذت کے سماع سے اور کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ یہ سننا مباح ہے۔ مگر ادنیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اس باب میں تو اونٹ اور بہائم بھی اس کے شریک ہیں بلکہ اس ذوق کے لیے تو صرف زندگی چاہیے ہر زندہ حیوان کو حسین و دل کش آواز سے لذت ملتی ہے۔

دوسری کیفیت یہ ہے کہ راگ کو سنے اور سمجھے مگر گیت کے مضمون کو کسی معین یا غیر معین شخص پر منطبق کرتا جائے۔ یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو شہوت پرستی کے مرض میں مبتلا ہوں۔ یہ کیفیت بھی قابل ذکر نہیں۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ایسے لوگوں کو موسیقی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ جو کچھ سنے اسے اپنے حال پر منطبق کرے یعنی روحانی

مدارج کے سلسلہ میں اللہ کی محبت کے جو مدارج آتے ہیں انہی پر گیت کے مضمون کو ڈھالے۔ گیتوں کے مضامین کو تعذر پر ڈھالا جا سکتا ہے بعض کو تمکن پر۔ یہ سماع مریدوں کا اور خصوصاً مبتدیوں کا ہے۔ کیونکہ مرید کا مقصود خدا کی معرفت اور مشاہدۂ باطنی ہے اور موسیقی اس کی منزل مقصود کے لیے ایک راستہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ گیتوں میں جب عتاب وخطاب، قبول ورد، وصل وہجر، قرب وبُعد، تاسفِ مافات واشتیاقِ متوقعہ۔ انتظارِ محبوب وخوفِ رقیب، ایفائے عہد وعدہ شکنی، اشک افشانی وسرگرانی، وغیرہ کے مضامین آتے ہیں تو ان میں سے بعض مرید کے حالات کے موافق ہوتے ہیں۔ وہ انھیں سنتا ہے تو دل میں شوق اس طرح بھڑک اٹھتا ہے جیسے چقماق سے آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ان الفاظ سے وہی مفہوم مراد لے جو شاعر نے لیے تھے۔ کلام کئی صورتوں پر محمول ہو سکتا ہے اور ہر ذی فہم اس سے اپنی فہم کے مطابق معنی لے سکتا ہے۔

اب ہم کچھ ایسی مثالیں لکھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے الفاظ سے کس طرح اپنی فہم کے مطابق معانی سمجھے تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ جن شعروں میں زلف ورخسار کے قصائد ہوں تو ہر حال میں ان سے ظاہری معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ اشعار میں خاص الفاظ کے مفہوم متعین کرنے کی کوشش کریں۔ صرف موسیقی سننے والوں کی حکایات کافی ہیں۔

کہتے ہیں کسی صوفی نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا

قال الرسول غدا تزو — فقلتُ تعقل ما تقول

(مجھے ایلچی نے کہا کل تم سے محبوب ملے گی۔ میں نے کہا کیا تو سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہا ہے یعنی مجھے پیامِ وصل پر اعتبار نہ آیا)

اسی پر اُسے وجد آگیا اور وہ پہلا مصرعہ بار بار پڑھنے لگا اور تزو در صیغۂ مخاطب)

کی بجائے نزور (صیغہ جمع متکلم) کہنے لگا۔ وہ پڑھتا رہا حتیٰ کہ شدتِ سرور سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو سبب پوچھنے پر اُس نے کہا مجھے رسولِ خدا صلعم کا یہ ارشاد یاد آگیا

ان اھل الجنۃ یزورون ربھم فی کل یوم جمعۃ مرۃ[1]	بے شک اہل جنت ہر جمعہ کو اپنے رب کی زیارت ایک مرتبہ کریں گے۔

رقی نے ابن دراج سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ "میں اور ابن فوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ کے کنارے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک خوبصورت محل نظر آیا۔ برآمدہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے لونڈی یہ شعر گا رہی تھی۔

کل یوم تتلون ؟ غیر ھذا بک احسن

(ہر روز تیرا سلوک بدل جاتا ہے کیا تجھے اس کے سوا اور بھی کچھ زیبا ہے)

اتفاقاً ایک جوانِ رعنا گدڑی پہنے، ڈول ہاتھ میں لیے آیا۔ اس کے کان میں یہ آواز پڑی تو کہا

"تجھے قسم ہے خدا کی اور اپنے آقا کی زندگی کی یہ شعر ایک مرتبہ دہرا دے" لونڈی نے وہی شعر دوبارہ پڑھا تو کہا "واللہ میرے حال کا تلون یہی ہے" پھر ایک چیخ ماری اور گر کر جاں بحق ہو گیا۔

ہم نے کہا اب تو ہم پر یہ فریضہ عائد ہو گیا کہ اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں چنانچہ ہم ٹھہر گئے۔ مالک نے لونڈی سے کہا "تجھے میں نے اللہ کے لیے آزاد کیا"۔ پھر اہل بصرہ آئے اور انھوں نے مردہ نوجوان کی نماز جنازہ پڑھی۔ نماز کے بعد مالک مکان نے کہا "تم گواہ رہو کہ میری تمام چیزیں مع محل وقف ہیں۔ میری تمام لونڈیاں آزاد ہیں۔ پھر اس نے اپنے

۱۔ اخرجہ الترمذی و ابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ

کپڑے اتار دیے اور ایک تہ بند باندھ کر ایک چادر بدن پر ڈال کی اور چلا گیا۔ لوگ اشکوں بھری آنکھوں سے اُسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ پھر اس کا کوئی حال معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں چلا گیا۔"

مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان عشقِ خداوندی سے معمور تھا۔ لیکن وہ معاملۂ محبت میں اپنے آپ کو ثابت قدم نہ سمجھتا تھا۔ ہر وقت اُسے یہ فکر رہتی تھی کہ میرے عشق کی کیفیات تغیر پذیر ہیں۔ جب اس کے مطابقِ حال شعر پڑھا گیا تو اسے خیال آیا گویا اللہ اس سے مخاطب ہے کہ "تیرا عشق بھی کیا عشق ہے کہ ہر روز بدلتا ہے۔"

جس شخص کا سماع من اللہ، علی اللہ اور فی اللہ ہو اسے چاہیے کہ اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کی طرف ایسی صفت منسوب کر بیٹھے جس سے وہ کافر ہو جائے۔ مثلاً اسی شعر میں اگر اپنے آپ کو متکلم سمجھے اور اللہ کو مخاطب کرے تو کافر ہو جائے گا۔ ایسی غلطیاں اکثر جہالت سے ہوتی ہیں جن میں تحقیق کا مادہ ہوتا ہی نہیں مگر کبھی کبھی ان میں ایک گونہ تحقیق کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے حالات کا بدلنا بلکہ تمام عالم کا متغیر ہونا خدا کی طرف سے جانے تو اس میں اس قدر صحیح ہوگا کہ خدا تعالیٰ کبھی انسان کا دل کشادہ کرتا ہے۔ کبھی تنگ۔ کبھی اس میں نور بھرتا ہے اور کبھی ظلمت۔ کبھی اسے سخت کرتا ہے کبھی نرم۔ کبھی اسے اپنی اطاعت پر مستحکم کر دیتا ہے اور کبھی اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس شخص سے اوقاتِ قریبہ میں مختلف افعال سرزد ہوا کرتے ہیں اسے غیر مستقل اور متلون مزاج کہتے ہیں۔ اس لیے یہ اللہ پر تو صادق نہیں آتا کیونکہ اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں۔ دوسری چیزوں کو وہ ضرور بدلتا ہے۔ یہ علم مرید کو اعتقادِ تقلیدی سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر عارف کو کشفِ حقیقی سے۔ اور یہ وصف اللہ ہی کے لیے مختص ہے کہ وہ دوسروں کو بدل دیتا ہے۔ مگر اس کی اپنی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی حالانکہ اور لوگ جو دوسروں کو بدلتے ہیں خود

بھی بدل جاتے ہیں۔ بعض لوگوں پر ایسا حال غالب ہوتا ہے کہ وہ مدہوش ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی زبان اللہ کے ساتھ عتاب پر کھلتی ہے۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اس نے دل کو اپنا مطیع بنا رکھا ہے۔ اور احوال مختلف ہیں کہ صدیقین کے دلوں کو صفائی اور حضوری بخشی۔ منکروں اور مغروروں کے دلوں کو دوری و مہجوری دی۔ مگر اس کی دی ہوئی چیز کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور اس کی رد کی ہوئی چیز کو کوئی دینے والا نہیں۔ کفار سے جو توفیق منقطع ہوگئی تو کسی سابق گناہ کی وجہ سے نہیں۔ اور انبیاء کو جو توفیق ایزدی اور نور ہدایت سے مدد ملی تو کسی پچھلی نیکی کی وجہ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ	اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے مرسل بندوں کے حق میں۔

دوسری جگہ فرمایا

لٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔	لیکن ٹھیک ہوئی میری بات کہ مجھے اکٹھے جنوں اور انسانوں سے دوزخ بھرنا ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝	جن کو آگے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے (دوزخ) سے دور رہیں گے۔

اب اگر تمھارے دل[1] میں یہ اندیشہ گزرے کہ اللہ نے اگر تقدیر پہلے سے مقرر کر رکھی

۱۔ مصنف مرحوم کا کلامی مذہب ابتدا میں اشعریہ تھا چونکہ اشعریہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالایطاق دے سکتا ہے اس لیے مصنف اسی کی تائید میں بول رہے ہیں۔ اصل میں تقدیر کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ خدا نے پہلے سے کسی کو جنتی اور کسی کو دوزخی قرار دے رکھا ہے۔ اور ان کی تقدیر ظاہر ہو کے رہے گی۔ تقدیر سے مراد علم الٰہی ہے اللہ کو معلوم تو ہے کہ زید زندگی میں بدکار رہو گا اور جہنمی بنے گا لیکن یہ علم زید کو بدکار بننے پر مجبور نہیں کرتا۔

تھی تو کیوں بندوں کی تقدیروں میں اختلاف ہوا۔ کیوں کسی کو نیک اور کسی کو بد ٹھہرایا۔ تو تمھیں سراپردۂ جلال سے للکارا جائے گا کہ خبردار حدِ ادب سے باہر قدم نہ نکالو۔ یہ وہ ذاتِ پاک ہے جس کی شان یہ ہے کہ

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ ۔ اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے۔

اصل یہ ہے کہ زبان سے ظاہری آداب تو اکثر لوگ ملحوظ رکھتے ہیں مگر دلوں میں بہت کچھ بھرا ہوتا ہے۔ کوئی ہمیشہ شقی اور راندۂ درگاہ ہی رہتا ہے اور کوئی سعید اور مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے۔ سماع پر بجز راسخ علماء کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اسی لیے جب کسی نے خواب میں خضر علیہ السلام سے سماع کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا "وہ پاکیزہ ہے مگر علماء کے سوا کسی کے اس پر قدم نہیں جمتے"۔ راگ دلوں کے مخفی اسرار کو تحریک دیتا ہے۔ اور جیسے نشہ میں چور آدمی دل کی تمام باتیں ظاہر کر دیتا ہے اسی طرح راگ بھی مدہوش کرتا ہے اور ممکن ہے کہ جس کے دل میں ادب نہ ہو وہ زبان سے بھی گستاخی کی باتیں کرنے لگے۔ اسی لیے کسی نے کہا کاش موسیقی سے ہم اس طرح بچ جائیں کہ نہ ثواب ہو نہ عذاب۔ پس جو شخص دل کا خام ہو اس کے لیے سماع شہوت پرست کے سماع سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ شہوت پرست تو زیادہ سے زیادہ مرتکب معاصی ہو سکتا ہے لیکن ایسا شخص کلماتِ کفر بھی زبان پر لا سکتا ہے۔

اب یہ بات سمجھ لیجیے کہ موسیقی سن کر سمجھنے والے بھی حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی شعر سے جب دو سننے والے وجد میں آتے ہیں تو ایک کسی اور مفہوم کی وجہ سے اور دوسرا کسی اور مفہوم کے باعث۔

عتبہ غلام سے مروی ہے کہ انھوں نے کسی کو گاتے سنا

سبحان جبار السما ان المحب لفی عنا

(اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور عاشق رنج میں مبتلا رہتا ہے)

تو کہا "سچ کہتا ہے" ایک اور شخص نے سنا تو کہا "جھوٹ کہتا ہے"۔ کسی صاحبِ فکر نے کہا دونوں

درست کہتے ہیں کیونکہ پہلا خیال اس عاشق کا ہے جو محبوب کے انکار سے مبتلائے غم ہے اور دوسرا خیال اس عاشق کا ہے جو محبوب کے دیے ہوئے غم کو بھی اپنے لیے نعمت سمجھتا ہے۔ یا ایسے عاشق کا خیال ہے جو اس وقت تو کامران و بامراد ہو اور مستقبل کے متعلق بھی مطمئن ہو۔

ابو القاسم بن مروان جو ابو سعید خراز کی صحبت میں رہتے تھے اور جنھوں نے برسوں سے موسیقی سننا چھوڑ رکھا تھا۔ ان کی حکایت ہے کہ وہ کسی دعوت میں گئے۔ وہاں ایک شخص کو یہ گاتے سنا

وقف الماء عطشاٰ ــــ ن ولکن لیس لیسقی

(پانی پر پیاسا کھڑا لیکن وہ مجھے نہیں پلاتا)

برلبِ جو تشنہ لب استادہ ام　　　جام از دستش نمی یابم ہنوز

اس پر حاضرین وجد کرنے لگے۔ جب ان کا وجد ختم ہوا تو ابو القاسم نے شعر کا مطلب پوچھا۔ کہنے لگے "ہم نے یہ مطلب سمجھا کہ ہم کیفیاتِ جمال کے پیاسے ہیں۔ سامان موجود ہے لیکن پھر بھی محروم ہیں"

انھوں نے کہا "یہ غلط ہے۔ میں نے اس کا یہ مفہوم سمجھا کہ احوال و کیفیات تم پر طاری ہیں۔ کرامات مل گئی ہیں مگر اصل حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہوئے" اشارہ ہے کہ حقیقت احوال و کرامات سے بھی آگے ہے۔ پس یہاں سے تم سمجھ لوگے کہ دونوں مفہوم صحیح ہیں۔ دوسرے لوگوں نے اپنی حالت کی وضاحت کی اور ابو القاسم نے اپنا حال بیان کیا۔ غرضیکہ ہر ایک نے شعر کو اپنے حال کے مطابق ڈھالا۔

شبلیؒ اکثر اس مضمون کے شعر پر وجد کیا کرتے تھے

وداد کم ھجر وحبکم قلی　　　ووصلکم صرم وسلمکم حرب

(تیری الفت تیرا ہجر ہے، تیری محبت تیری عداوت ہے، تیرا وصل تیرا فراق ہے اور

تیری صلح تیری جنگ ہے)

اس شعر کو مختلف معانی پہنائے جا سکتے ہیں جن میں سے بعض غلط ہیں اور بعض صحیح۔ ظاہر تر معنی یہ ہیں کہ دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ دغا باز اور فریبی ہے باطن کی دشمن اور ظاہر کی دوست ہے۔ اپنے جڑے ہوئے رشتوں کو خود ہی قطع کرتی اور اپنی اٹھائی ہوئی عمارتوں کو خود ہی گراتی ہے۔ کسی کے پاس یہ ہمیشہ نہیں رہتی۔ جسے خوش کرتی اور ہنساتی ہے پھر اسی کو رلاتی بھی ہے۔ حدیث شریف میں بھی دنیا کا انقلاب ذکر کیا گیا ہے۔ ثعلبی نے دنیا کے متعلق بہت خوب کہا تھا۔

تنح عن الدنیا فلا تخطبنها ولا تخطبن قتالة من تناکح

لقد قال الواصفون فاکثروا وعندی لها وصف لعمری صالح

سلاف قصارا معاز عاف ومرکب شهی اذا استلذ اللته فهو جامح

وشخص جمیل یونر الناس حسنه ولکن له اسرار سوء قبائح

(دنیا سے بھاگ اور اس سے نسبت کا خیال نہ کر۔ جو بیوی اپنے خاوند کی قاتلہ ہوا سے نکاح کا پیغام نہ دے۔ اس سے خوف زیادہ ہے اور امیدیں قلیل ہیں۔ اس کے قصیدہ خوانوں نے اس کی بڑی تعریفیں کی ہیں لیکن مجھے اپنی زندگی کی قسم اس کے لیے اس سے بہتر تشبیہ کوئی نہیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ دنیا بادۂ گلگوں ہے مگر اس کا خمار ذلت کی موت ہے۔ یہ ایک بادپا گھوڑا ہے مگر اس پر سوار ہو جاؤ تو بدلگام ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ماہ پارہ ہے جس کا حسن مردم فریب ہے لیکن اس کے باطن میں طرح طرح کی خباثتیں بھری ہوئی ہیں)۔

غرضیکہ مذکورۃ الصدر شعر کے سب مضامین دنیا پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں۔ اور خدا کے حقوق ادا کرنے میں نفس انسانی کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ اس کی معرفت جہالت ہے۔ اللہ نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اور اس کی اطاعت ریا ہے کیونکہ صحیح معنوں

میں خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور اطاعت کے حق ادا نہیں کرتا۔ اور اس کی محبت بھی غیر مقبول ہے کیونکہ اللہ کی محبت میں شہوت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے نفس کی ان کمزوریوں سے واقف کر دیتا ہے۔ وہ اس شعر کو اپنے مطابق حال سمجھتا ہے

نبی صلعم نے فرمایا

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک [۱]	میں تیری تعریفوں کا احاطہ نہیں کر سکتا کیونکہ تیری ثنا کرنا ایسا ہے جیسے تو نے اپنی ذات کی ثنا کی۔

صلحاء اپنے نفس کی کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ عوام سے بہت اونچے ہوتے ہیں۔ نبی صلعم نے فرمایا

انی لا ستغفر فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ	میں اللہ سے رات دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

آپؐ کا استغفار اس وجہ سے تھا کہ آپؐ ہر وقت مقامات و احوال کی منازل طے فرماتے۔ اور ہر لحظہ مدارج عالیہ اپنے مقامات سے بعید سمجھ کر اللہ کی مغفرت طلب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ اس وقت بھی مدارج عالیہ کی اُن انتہائی بلندیوں پر تھے جن پر نہ کبھی کوئی پہنچا نہ پہنچے گا۔ ازل سے ابد تک کوئی ان مراتب کو نہیں پا سکتا۔ مگر قرب و بعد امور اضافی ہیں۔ کوئی قرب ایسا نہیں کہ اس کے بعد اور قرب نہ ہو:

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (اقبالؔ)

ہر قرب اور قریب ہونے کا تقاضا کرتا ہے:

اے برادر بے نہایت در گہے است
ہر چہ بر وے میرسی بر وے مالیست

۱۔ رواہ مسلم

تیسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے احوال کی ابتداء کو دیکھ کر ان پر راضی ہو اور انھیں پسند کرے مگر انجام پر نظر کرے اور اگلے مقام کو دیکھے تو پچھلے درجہ کو حقیر سمجھے یعنی ہر درجہ میں اپنے درجات کی کمی محسوس کرے تو اس امر کو خدا کی طرف سے سمجھ کر جب یہ شعر سنے تو اسے تقدیر الٰہی کی شکایت کے معنی پہنائے تو یہ کفر ہے۔

چوتھی حالت ان لوگوں کی موسیقی ہے جو احوال و مقامات سے آگے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ محبت الٰہی میں اس قدر ڈوب گئے کہ اپنی جان کو بھی بھول گئے۔ ان کی حالت ان لوگوں کی طرح ہے۔ جو بحر شہود کے غواص ہوں اور مدہوش ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کی حالت ان عورتوں کی سی ہے جنھوں نے حسن یوسف کی جلوہ طرازیاں دیکھیں تو اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں یہاں تک کہ ان پر وحشت طاری ہو گئی۔ اور ان کا احساس ساقط ہو گیا۔ صوفیاء ایسی حالت کو فنا فی النفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی اپنی خودی سے جاتے رہنا۔ اور جب کوئی شخص اپنے نفس کو بھی بھول جائے تو دوسروں کو بدرجۂ اولیٰ بھول جائے گا۔ اس حالت میں وہ بجز ذات واحد مشہود کے تمام چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدہ کو بھی بھول جاتا ہے۔ کیونکہ دل اگر مشاہدہ کی طرف التفات کرے گا تو وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو گا اور سمجھے گا کہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں۔ جب اس کی انا درمیان میں آئے گی تو مشہود سے غافل ہو جائے گا۔ حق یہ ہے کہ عاشقان مشہود کو مشاہدہ سے سروکار نہیں رہتا۔ جیسے کوئی شخص جب مرئی چیزوں کو دیکھنے میں منہمک ہو جاتا ہے تو اسے اپنے مشاہدہ اور خود اپنی ذات تک کی خبر نہیں رہتی۔ اسی طرح متوالے کو اپنے نشہ کی خبر نہیں ہوتی اور نہ لذت پانے والے کو لذت پانے کی طرف توجہ ہوتی ہے بلکہ جس سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے اس کی توجہ صرف اسی کی طرف رہتی ہے۔

تو جو شخص کسی چیز کا عالم ہے، پس جب اسے اپنے عالم ہونے کا علم ہو گا تو وہ اس چیز سے اعراض کرنے والا سمجھا جائے گا۔ فنا عن النفس کی حالت کبھی مخلوق کو مشہود بنا کر طاری ہوتی ہے۔ اور کبھی خدا کو مشہود بنا کر۔ لیکن اکثر یہ برقِ خاطف کی ایک نمود ثابت ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔

اگر یہ ہمیشہ قائم رہے تو اس کے تحمل کی تاب قوتِ بشری میں نہیں بلکہ بعض اوقات روحِ انسانی میں ایسا اضطراب پیدا ہوتا ہے کہ انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابوالحسن نوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک مجلس سماع میں موجود تھے کہ یہ شعر سنا

مازلت انزل من ودادک منزلا تتحیر الالباب عند نزولہ

(تیری الفت ہمیشہ مجھے ایسی بلند منزل پر پہنچا دیتی ہے کہ وہاں سے اترتے وقت عقلیں متحیر ہو جاتی ہیں)

سنتے ہی اٹھے اور وجد میں آکر جدھر منہ آیا چل دیے۔ اتفاقاً ایک جنگل میں پہنچے کہ بانس کاٹے گئے تھے اور ان کی جڑیں تیز دھار کھڑی تھیں انہی پر دوڑتے رہے۔ پاؤں لہولہان ہو گئے۔ دوسری صبح تک وہی شعر پڑھتے رہے اور دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ پنڈلیاں ورم کر گئیں۔ اس کے بعد چند روز زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ یہ وجد صدیقوں کا درجہ ہے اور یہ سب درجات سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ کمال اس کا نام ہے کہ اپنے نفس اور احوال کو بھول جائے۔ اور موسیقی کو للہ، باللہ، فی اللہ اور من اللہ سنے۔ اور یہ رتبہ اس شخص کا ہے جو ساحلِ احوال و اعمال سے گزر کر بحرِ حقیقت کی شناوری کرے اور اس میں خودی کا نام و نشان نہ رہے۔ ہمارا مقصد فنائے جسم نہیں بلکہ فنائے دل ہے۔ اور دل سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں بلکہ وہ سرِ لطیف مراد ہے جسے اس گوشت کے لوتھڑے سے ایک مخفی تعلق ہے۔ اس کے بعد سرِ روح ہے جو خدائے عزوجل کا امر ہے کہ جو اسے جانتا ہے۔ وہ اس کی قدر پہچانتا ہے۔ اور جو نہیں جانتا وہ اس کی قدر کیسے پہچانے جس کی یاد بھی اس سرِ روحانی میں موجود ہو۔ وہی اس کا وجود بنتا ہے۔ جب اس میں اللہ کے سوا کوئی اور موجود ہو گا تو اس میں اسی کا وجود رہے گا کسی اور کا وجود نہیں آسکتا۔ اس کی مثال جلا والے آئینہ کی سی ہے کہ بذاتِ خود اس میں کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جو چیز اس کے اندر قرار پائے وہ اسی کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رنگ ہی ایسا ہے کہ تمام رنگوں کو قبول کر سکتا ہے۔ اور سیرِ قلب کی حقیقت بھی باطنی چیز ہے گویا سیرِ قلب اور محبوب ایک

دوسرے میں اس طرح سما جاتے ہیں کہ ایک کو دیکھو تو دوسرا نظر آتا ہے۔ کسی شاعر نے محسوس تشبیہ سے اسی حقیقت کو واضح کیا ہے:

رق الزجاج ورقۃ الخمر فتشابھا فتشا کل الامر

فکانما خمر ولا قدح وکانما قدح ولا خمر

(صہبا اور آبگینہ کی ایک جیسی شکل ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شراب ہی منجمد پڑی ہے آبگینہ کا وجود ہی نہیں اور یا آبگینہ ہی ہے شراب کا نام و نشان تک نہیں)

یہ امر علوم مکاشفہ کے ان مقامات میں سے ہے جن سے بعض لوگوں نے حلول و اتحادِ ذات کا دعویٰ کر کے "انا الحق" کہہ دیا۔ نصاریٰ کا بھی یہی خیال ہے کہ عالم لاہوت و ناسوت متحد ہیں۔ اور ایک کا لباس دوسرا ہے یا ایک کا حلول دوسرے میں ہو گیا۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آئینہ میں سرخ رنگ کا عکس دیکھے تو آئینہ کو سرخ کہہ دے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ رنگ آئینہ کا نہیں بلکہ اس چیز کا ہے جو آئینہ کے سامنے ہے۔ چونکہ یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہیں اس لیے ہم اسے چھوڑ کر اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فصل دوم ——— وجد

وجد کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس میں صوفیاء و حکماء مختلف الرائے ہیں۔ ہم دونوں قسم کے اقوال نقل کر کے پھر اپنی تحقیق درج کریں گے۔ سب سے پہلے صوفیاء کے اقوال کو لیجیے:

ذوالنون مصری فرماتے ہیں "سماع حق کا وارد ہے۔ یہ دلوں کو حق کے لیے متحرک کرتا ہے۔ جو اُسے حق کے لیے سنے حق پرست ہے۔ اور جو نفس کے لیے سنے وہ زندیق ہے"۔ یعنی ان کے نزدیک وجد حق کی طرف میلان کا دوسرا نام ہے۔

ابوالحسین درّاج کہتے ہیں "وجد اس حالت کا نام ہے جو موسیقی سن کر پیدا ہو۔ سماع مجھے ایک پُر رونق میدان میں لے گیا۔ وہاں میں نے ابرِ رحمت کی گھر باری دیکھی اور عطا و بخشش کا سمندر دیکھا تو وجد میں آگیا۔ وجد نے مجھے جامِ صفا پلایا جس سے میں نے رضا کے مراتب حاصل کیے۔ اور وجد نے مجھے ایک گلستانِ رنگ و بو کی سیر کرائی جس کی فضا نزہت آفرین تھی۔"

شبلیؒ نے فرمایا "موسیقی ظاہر میں فتنہ اور باطن میں عبرت ہے۔ پس جو کوئی لطائف غیبی کو پہچانے اُسے اس کا سننا حلال ہے وگرنہ وہ فتنہ کا خواستگار ہے۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

بعض اکابر کہتے ہیں "موسیقی روح کی غذا ہے۔ اس سے سر روحانی متاثر ہوتا ہے جو باریک اور رقیق ہے اور اس کے لیے لازمی ہے کہ طبیعت میں رقّت ہو۔ جو اس کے اہل ہیں وہ اسے بہت ہی شفاف اور لطیف سمجھتے ہیں۔ یہ بجز سر قلبی کی صفائی کے کسی طرح حاصل نہیں ہوتا"

عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں "وجد کی حقیقی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ وہ مومنین صادقین کی عبادت کے وقت کا لطیف راز ہے۔"

بعض بزرگ کہتے ہیں "وجد حق کی راہ میں حاصل ہونے والے مکاشفات کا نام ہے۔"

ابو سعید بن اعرابی کہتے ہیں "وجد ہے حجاب کا اٹھنا اور باہمی انس۔ اور وجد امورِ غائبہ کی تحقیق کا پہلا سبب ہے۔ جب سالک وجد کا مزہ چکھتے ہیں تو وہ نورِ حق کا نظارہ کرتے ہیں اور انھیں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ نفس کے علائق اور دنیاوی اسباب کا تعلق وجد کا مانع ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس پر دنیاوی علائق حجاب کی طرح پڑے ہوتے ہیں۔ پس جب اسباب منقطع ہو جائیں تو ذکرِ خالص سے دل بیدار ہوتا ہے۔ اور اس قدر شفاف ہو جاتا ہے کہ نصیحت اس پر اثر کرتی ہے۔ تب وہ مناجات کے ایک انوکھے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ادھر سے خطاب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ خطاب کو گوشِ ہوش، دلِ حاضر اور سرِ ظاہر سے سنے اور جو بات پہلے اس میں نہ تھی اب اس کا مشاہدہ کرے تو اس کا نام وجد ہے۔ کیونکہ جو چیز پہلے معدوم تھی اب موجود ہو گئی۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں" وجد اس حالت کو کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل مواقع پر طاری ہو ذکر محرک کے وقت، خوف شدید کے وقت، لغزش پر توبیخ کرنے کے وقت، یا کوئی لطیفہ کہتے، کسی فائدہ کی طرف اشارہ کرنے، غائب کے دیدار کا مشتاق ہونے، گم شدہ چیز پہ افسوس کرنے، گزشتہ افعال پر نادم ہونے، کسی 'حال' کی طرف رجوع کرنے، کسی واجب کی طرف مائل ہونے یا سرِ قلبی سے سرگوشی کرنے کے وقت۔ اور وجد کی کیفیت یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر، باطن کو باطن، غیب کو غیب، راز کو راز اور مقدر میں لکھے ہوئے فوائد کو ضرر کے بدلے میں پیدا کرتا ہے تاکہ اس معاملہ میں بندے کی کوشش بھی تقدیر میں لکھ جائے۔ اور اسی کی جانب سے شمار ہو۔ اس طرح بغیر ذکر کیے ذکر شمار ہو گا۔ کیونکہ شروع میں نعمت دینے والا وہی کفیلِ مطلق تھا تو اب بھی جب تمام ذمہ داری اسی کو سونپی جائے گی تو پھر وہی کفیل ہو جائے گا۔"

یہ وجد کے معاملہ میں صوفیاء کے اقوال ہیں۔ اب حکماء کے اقوال سنیئے:

بعض کہتے ہیں" پہلے پہل ایک فضیلت تھی جسے قوتِ نطق لفظوں کے ذریعہ ادا نہ کر سکی۔ پس اس کو نفس نے نغموں کے ذریعہ سے باہر نکالا۔ اور جب وہ ظاہر ہوئی تو نفس اپنی کامرانی پر خوش ہوا۔ اور طرب میں آگیا۔ پس نفس سے سنا کرو۔ اسی سے سرگوشی کیا کرو۔ ظاہری دعا کو چھوڑ دو۔"

بعض کہتے ہیں" سماع کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے عاجز مستعد ہو جاتا ہے۔ اور جو فکر سے خالی ہو اُسے فکر حاصل ہوتی ہے۔ جس کی فہم کند ہو اس کی فہم تیز ہو جاتی ہے۔ جو تھک گیا ہو وہ تر و تازہ ہو جائے۔ جو میلا ہو وہ صاف ہو جائے۔ اس کی رائے اور عزم میں بجلیاں بھر جائیں۔ وہ کہے تو خطا نہ ہو اور کام کرے تو تاخیر سے نہ کرے۔"

ایک اور حکیم کا قول ہے" جیسے عقل علم کے راستے معلوم کی طرف لے جاتی ہے اسی طرح دل سے عالم روحانی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔"

کسی حکیم سے سوال ہوا کہ نغموں کے وزن اور گت پر ہاتھ پاؤں بالطبع کیوں ہل جاتے

ہیں تو اس نے کہا "عشقِ عقلی اس بات کا محتاج نہیں کہ اپنے محبوب سے زبان کے ساتھ ہی باتیں کرے بلکہ وہ سرگوشی، تبسم، غمزہ، ابرو اور اشارہ چشم سے گفتگو کرنا بھی جانتا ہے۔ یہ تمام چیزیں باتیں کیا کرتی ہیں مگر روحانی زبان میں۔ سوائے عقل کے انھیں اور کوئی چیز نہیں سمجھ سکتی۔ جو عاشق، حقیقی عاشق نہیں ہوتے وہی اپنی زبان استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے شوقِ ضعیف اور کھوٹے عشق کو زبانی دعووں سے ملمع کر دیں۔"

ایک حکیم کا قول ہے "جو شخص غمگین ہو اسے موسیقی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لیے کہ نفس پر جب غم آتا ہے تو اس کا نور بجھ جاتا ہے اور جب وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا نور مشتعل ہو جاتا ہے۔ پس موسیقی اس کے نفس کا نور روشن کر دے گی۔"

حق یہ ہے کہ اس طرح کے اقوال بہت زیادہ ہیں لیکن ہم انھیں بخوفِ طوالت حذف کرتے ہیں، اور اپنی تحقیق درج کرتے ہیں۔

اصل میں وجد اس حالت کا نام ہے جو موسیقی کا نتیجہ ہوتی ہے یعنی وہ نئی حالت جو موسیقی سننے والا موسیقی سننے کے بعد اپنے نفس میں محسوس کرتا ہے۔ اور یہ حالت دو قسم کی ہوتی ہے۔ یا تو موسیقی کا انجام مشاہدات و مکاشفات ہے جنھیں ایک علم کہا جا سکتا ہے اور یا اس کا نتیجہ تغیرِ احوال ہے جسے علم نہیں کہہ سکتے۔ یعنی شوق، خوف، غم، نشاط، افسوس و ندامت یا بسط و قبض وغیرہ۔ موسیقی ان احوال کو یا تو جوش میں لاتی ہے یا قوی کر دیتی ہے۔ پس اگر موسیقی ایسی غیر مؤثر ہو کہ نہ بدن کو حرکت دے اور نہ خلافِ عادت گردن ہلنے لگے نہ اور کسی قسم کی حالت بدلے تو ہم اس پہلے کی طرح کی حالت کو وجد نہیں کہیں گے۔ وجد صرف اسی وقت کہا جائے گا جب بدن پر اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ اور یہ اثر جس قدر ہوگا اسی مقدار کو دیکھ کر وجد کو قوی یا ضعیف کہہ سکیں گے۔

یہ ضروری نہیں کہ موسیقی ایسی چیز کا انکشاف کرے جو پہلے غیر منکشف ہو۔ اس لیے کہ کشف کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سے پہلا سبب تنبیہ ہے اور موسیقی تنبیہ کرنے والی

ہے۔ دوسرا سبب تغیر احوال اور ان کا مشاہدہ وادراک ہے کیونکہ ادراک سے ایسی باتیں واضح ہوجاتی ہیں جو پہلے معلوم نہیں ہوتیں۔ تیسرا سبب دل کی صفائی ہے اور موسیقی دل کو صاف کرتی ہے۔ چوتھا سبب قوت ہے۔ اور موسیقی انسان میں قوت بھر دیتی ہے۔ جیسے اونٹ موسیقی سے مست ہوکر اتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے جسے وہ پہلے نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ دل کا عمل کشف ہوتا ہے اور وہ اسرار ملکوت ملاحظہ کرتا ہے پس جب دل قوی ہوگا تو اس کا عمل بھی زیادہ ہوگا۔ جیسے اونٹ کا دل قوی ہوجاتا ہے تو اس کا عمل وسیع ہوتا ہے۔ پس انہی اسباب کے ذریعہ سے موسیقی کشف کا موجب ہوتی ہے۔ کشف میں بعض اوقات حقیقت مجسم ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ یا شعر بن کر کانوں میں داخل ہوتی ہے۔ یہ اگر بیداری میں ہو تو اسے ہاتف کی آواز کہتے ہیں اور اگر نیند کی حالت میں ہو تو خواب کہتے ہیں۔ اور یہ نبوّت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے کہ امر حق اس طرح آدمی پر واضح ہوجائے۔ تجربہ شاہد ہے کہ صلحاء کو اس قسم کے معاملات پیش آتے ہیں چنانچہ محمد بن مسروق بغدادی کہتے ہیں کہ "جن دنوں میں جاہل تھا ایک رات نشہ سے چُور یہ شعر گاتا ہوا باہر نکلا:

بطور سیناء کرم ما مررت بہ ۔۔۔ الا تعجبت ممن یشرب الماء

(جب میں طور سینا پر گزرتا ہوں تو مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو پانی پیتے ہیں)

اتنے میں کسی کی آواز آئی

وفی جھنم ماء ما تجرعہ ۔۔۔ خلق فابقی لہ فی الجوف امعاء

(دوزخ میں وہ پانی ہے کہ اگر کوئی اسے ایک مرتبہ پی لے تو وہ اس کی آنتیں گلا دے)

یہی آواز تھی جس نے مجھے ہدایت کے رستہ پر لگا دیا۔"

اسی سے سمجھ لیا جاسکتا ہے کہ راگ نے اس کے دل کی صفائی پر کس طرح اثر کیا کہ حقیقت جہنم کی صفت میں ڈھل کر اس کے کانوں میں پڑی۔

مسلم عبادانی کہتے ہیں کہ "ہمارے پاس ایک مرتبہ صالح، عتبہ غلام، عبدالواحد بن زید اور مسلم اسواری تشریف لائے۔ جب کھانا سامنے آیا تو کسی نے غیب سے پکار کر یہ شعر پڑھا

تلهيك عن دار الخلود مطاعم ولذة نفس غيها غير نافع

(تمھیں کھانے کے لطف میں عاقبت بھول گئی اور یاد رکھو لذتِ نفس انجام کار فائدہ نہیں دے سکے گی)

اسے سنتے ہی عتبہ غلام چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے اور ہم تمام بیٹھ کر آنسو بہانے لگے کسی نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔" جس طرح قلب کی صفائی صدائے ہاتف بن کر سنائی دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات خضر کی صورت میں مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اہل دل کے سامنے مختلف تصویریں آتی ہیں۔ کبھی تو خضر کی حقیقی تصویر ہوتی ہے اور کبھی ایسی تصویر جو اس سے ملتی جلتی ہو۔ اسی طرح فرشتے بھی مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں۔ نبی صلعم نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ اور وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ان دونوں آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی حالات میں ولی کو دوسروں کے دلوں کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ نبی صلعم کا ارشاد ہے

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله۔[۱] مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

کہتے ہیں کوئی یہودی مسلمانوں کے پاس جاتا اور اس حدیث کا مطلب پوچھتا۔ وہ اسے مطلب بتا دیتے مگر اس کی تشفی نہ ہوتی۔ ایک دفعہ وہ کسی صاف باطن صوفی کے پاس گیا اور حدیث کا مطلب پوچھا۔ انھوں نے کہا " اس کے یہ معنی ہیں کہ جو زنار تیرے کپڑوں کے اندر

۱۔ ترمذی نے بروایت ابی سعید یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔

تیری کمر سے بندھا ہے اُسے توڑ ڈال" یہودی نے کہا "بے شک اب میں مطلب سمجھ گیا"۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ "میں جامع بغداد میں چند درویشوں کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک جوان ظریف خوشبو سے معطر آیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے"۔ سب کو میری بات بُری معلوم ہوئی۔ آخر میں باہر چلا آیا۔ اس شخص نے درویشوں کے پاس جا کر پوچھا "شیخ نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔" انھوں نے بتانے میں تامل کیا۔ مگر اس کے اصرار پر آخر بتا دیا۔ پھر وہ شخص میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر سر جھکایا۔ اور پھر مسلمان ہو گیا۔ اس نے مجھے کہا "ہم نے اپنی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی۔ تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں کا امتحان لوں۔ پس جب کسی نے مجھے نہ پہچانا تو خیال ہوا کہ اگر کوئی صدیق ہو گا تو وہ درویشوں میں ہو گا۔ میں یہاں آیا تو آپ نے مجھے پہچان لیا"۔ کہتے ہیں وہ نوجوان بعد میں مشہور صوفی ہوا۔

اس حدیث میں بھی اسی طرح کے کشف کی طرف اشارہ ہے:

لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماء	اگر شیطان انسانوں کے دلوں کے گرد نہ گھومتے ہوتے تو انسان آسمان کے ملکوت دیکھ لیتے

اور شیطانوں کا دورہ دلوں پر اسی وقت ہوتا ہے جب وہ رذائل اخلاق سے بھرے ہوئے ہوں۔ اور جو شخص اپنے دل کو آلائشوں سے صاف کرے تو شیطان اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا ارشاد ہے

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان	جو میرے بندے ہیں تجھے ان پر کوئی زور نہیں

ذوالنون مصری بغداد میں داخل ہوئے۔ ان کے پاس کچھ صوفی جمع ہوئے جن کے ساتھ

۱۔ اخرجہ احمد من حدیث ابی ہریرہ

ایک قوال تھا۔ اس نے یہ اشعار گائے

صغیر ھواك عذ بنی فکیف بہ اذا احتنکا

وانت جمعت فی قلبی ھوی قد کان مشترکا

اما ترثی لمکتئب اذا ضحك الخلی بکی

(تیری ذراسی خواہش نے مجھے عذاب میں ڈال دیا ہے اگر یہ بڑھ گئی تو نہ جانے کیا غضب ڈھائے گی۔ محبت تو تیرے اور میرے دل میں مشترک ہونی چاہیے تھی مگر تو نے اسے صرف میرے دل میں جمع کر دیا۔ تجھے اس اداس دل پر رحم نہ آیا جس کا قہقہہ بھی ایک فریاد ہے)۔

ذوالنون اسے سن کر کھڑے ہوئے اور پھر منہ کے بل گر پڑے۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ الذی یراك حین تقوم (جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے) وہ شخص بیٹھ گیا۔ انھیں اس کے دل کا حال معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تکلف سے وجد کرے گا اس لیے اسے جتا دیا کہ جب وہ دکھاوے کے لیے اٹھتا ہے تو اللہ اُسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ مرد سچا ہوتا تو ہرگز نہ بیٹھتا۔

غرضیکہ وجد کا انجام یہ ہوا کہ وجد یا مکاشفہ ہوتا ہے یا "حال"۔ اب ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ افاقہ کے بعد اُسے بیان کر سکیں۔ ایک وہ کہ اسے بیان نہ کر سکیں۔ شاید تم اس امر کو بعید از قیاس سمجھو کہ وہ حال کیسا ہوا اور وہ علم کیسا ہوا جس کی کیفیت بیان نہ کی جا سکے؟ اصل میں یہ بعید از قیاس نہیں کیونکہ اس کی نظیریں تمھیں اپنے حالات میں مل سکتی ہیں۔ علم کی مثال یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک فقیہ کے سامنے دو مسئلے پیش ہوئے جو ایک ہی صورت کے تھے۔ وہ اپنے ذہن میں ان دونوں کا فرق سمجھتا ہے۔ لیکن بیان نہیں کر سکتا چاہے وہ کیسا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو۔ اصل میں وہ معانی اس قدر دقیق ہوتے ہیں کہ الفاظ انھیں ادا نہیں کر سکتے۔ حال کی مثال یہ ہے کہ اکثر آدمی بعض اوقات پریشان یا مسرور ہوتے ہیں۔ مگر پریشانی یا مسرت کا سبب بیان نہیں کر سکتے۔ کبھی

کبھی ایسی عجیب حالت طاری ہوتی ہے کہ نہ اُسے سرور کہہ سکتے ہیں نہ حزن۔ اور نہ کوئی اور ایسا لفظ ملتا ہے جو اس حالت کی ترجمانی کر سکے بلکہ شعر کا ذوق بھی کسی میں ہوتا ہے کسی میں نہیں ہوتا۔ اب جو شخص وزن سے واقف نہیں اُسے کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے کہ یہ شعر زحاف والا ہے۔ اسی طرح نفس میں ایسے عجیب وغریب احوال ہیں کہ ان کی کیفیت کے اظہار کے لیے الفاظ کافی نہیں۔ تاروں کے باجے اور دوسرے بے الفاظ نغمے نفس پر عجیب کیفیت طاری کر دیتے ہیں انھیں شوق کا نام دیا جاتا ہے۔ مگر یہ طرفہ شوق ہے کہ جس کا شوق ہے اس کا حال مشتاق کو معلوم نہیں۔ یہ کیفیت عوام پر اور ان لوگوں پر بھی گزرتی ہے جن کے دل میں کسی قسم کی محبت نہیں ہوتی۔ اس کا ایک راز یہ ہے کہ ہر شوق کے دو رکن ہوتے ہیں۔ ایک رکن تو یہ ہے کہ مشتاق کو ایک گونہ اس سے نسبت ہو۔ دوسرا رکن ہے اس کی صورت پہچاننا۔ جس کا شوق ہو اگر اس کی طرف جانے کا راستہ معلوم ہوتا تب تو ظاہر ہے کہ شوق میں اضطراب کا پیدا ہونا بعید نہیں۔ اگر شوق تو ہو مگر اس کا علم نہ ہو جس کا شوق ہے تو جس وقت شوق متحرک ہوگا انسان متحیر ہو جائے گا کہ وہ کیا کرے۔ مثلاً ایک شخص اس طرح پرورش پائے کہ نہ تو اس نے عورت دیکھی ہو نہ جماع کی لذت سے واقف ہو۔ پھر جب اس پر شہوت غالب ہوگی تو اپنے نفس میں شہوت کی آگ معلوم کرے گا مگر یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اشتیاق جماع کا ہے۔ کیونکہ جماع اور عورت کے لفظ بھی اس کے کانوں میں نہیں پہنچے۔ اسی طرح ہر انسان میں شوق کی صفت موجود ہے یعنی اسے ملاء اعلیٰ سے تعلق ہے اور جن لذات کا وعدہ اس سے سدرۃ المنتہیٰ اور فردوس بریں میں ہوا ہے انہی چیزوں کا اسے شوق ہے۔ لیکن ان چیزوں کے اس نے صرف نام سنے ہیں۔ اپنی جہالت اور دنیاوی علائق میں مقید ہونے کی وجہ سے وہ اپنے پروردگار کو بھول گیا ہے اور اسے اپنا ٹھکانا یاد نہیں رہا۔ پس اگر اس جگہ کا شوق ابھرتا ہے تو اسے وہ جگہ یاد نہیں آتی اس لیے مدہوش، متحیر اور مضطرب ہو جاتا ہے اور اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑا ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتا ہے۔ غرضیکہ اس

طرح کے حالات کی پوری حقیقت بیان نہیں ہو سکتی۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ وجد دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جو الفاظ میں بیان ہو سکے اور ایک وہ جو الفاظ میں بیان نہ ہو سکے۔ اسی طرح وجد دو طرح سے طاری ہوتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ خود بخود دل کی طرف ہجوم کرتا ہے۔ دوسرے وہ کہ بہ تکلف وارد کیا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو "تواجد" کہتے ہیں۔ اس تواجد کا اگر یہ مقصد ہو کہ دکھاوے کے لیے وجد کرے تاکہ لوگ اسے بھی صوفی سمجھنے لگیں تب تو بہت برا ہے۔ اور اگر اس سے یہ مقصد ہو کہ ممکن ہے اس تدبیر سے اسے مقام مل جائے تو یہ احسن ہے۔ اس لیے سرور کائنات نے "تلاوتِ قرآن کے ضمن میں فرمایا

من لم يحضره البكاء في قرأة القرآن ان يتباكى و يتحازن۔ جس شخص کو تلاوت قرآن میں رونا نہ آئے وہ رونی صورت بنائے اور بہ تکلف غم کرے[1]۔

کیونکہ یہ احوال اگرچہ ابتداء میں بہ تکلف کیے جاتے ہیں لیکن انجام کار یہ اصل میں ہونے لگتے ہیں۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو شخص قرآن یاد کرتا ہے پہلے وہ بہ تکلف اسے پڑھتا ہے اور سوچ سوچ کر پڑھتا ہے مگر پھر اس طرح نوک زبان ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر سوچے اسے پڑھ لیتا ہے اور نماز وغیرہ میں غفلت کی حالت میں بھی سورت صحیح پڑھ لیتا ہے۔ کاتب پہلے بہ تکلف لکھتا ہے مگر جب مشق ہو جاتی ہے تو لکھنا اس کی سرشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور وہ صفحوں کے صفحے لکھ جاتا ہے حالانکہ اس کا دل کسی اور چیز پر سوچ رہا ہوتا ہے۔

پس وہ تمام چیزیں کہ اعضاء اور نفس جن کے متحمل ہو سکتے ہیں پہلے بہ تکلف کی جاتی ہیں بعد میں وہ عادت بن جاتی ہیں۔ اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں چیز فلاں آدمی کی "عادت خامسہ" (عام طور پر عادتِ ثانیہ یا طبیعت ثانیہ کہا جاتا ہے لیکن یہاں طبع سے مراد عنصر ہے) ہو گئی ہے

۱۔ پہلے اس حدیث کا ذکر ہو چکا ہے۔

تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ اسی طرح احوال ہیں اگر وہ نفس میں نہیں پائے جاتے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ موسیقی یا اس جیسی دوسری چیزوں سے پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عام طور دیکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر عاشق ہونا چاہتا ہے اگر محبت کی چنگاری یک بیک نہیں چمکتی تو وہ بہ تکلف محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے اخلاقی صفات کی تعریف کرتا رہتا ہے اور اُسے محبت کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اچانک اس کے دل میں حقیقی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عشق اس کے دل میں اس طرح جاگزیں ہوتا ہے کہ نکالنا چاہو تو نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح وجد کے لیے بھی تواجد کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان میں نیک صفات نہ ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ انھیں اپنانے کی کوشش کرے اور صالح لوگوں کے پاس بیٹھا کرے۔ ان کی صفات کو اپنانے کی کوشش کرے۔ اور موسیقی سننے میں ان کے ساتھ شریک ہو اور دعا کرے تاکہ اللہ وہی حالت اسے بھی مرحمت فرمائے۔ کیونکہ صحبت کا اثر انسانی دلوں پر ضرور ہوتا ہے۔ جس کے پاس انسان بیٹھے اس کی صفات دل میں سرایت کر جاتی ہیں:

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالح ترا طالح کند

نبی صلعم کا ارشاد ہے

اللھم۔ ارزقنی حبک وحب من احبک   الٰہی مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اس کی محبت عطا فرما
وحب من یقربنی الی حبک   جو تجھ سے محبت کرے اور اس کی محبت عطا کر جو مجھے
تیری محبت سے قریب کر دے

تو دیکھو اس دعا میں آپؐ نے محبت طلب فرمائی۔ اگر یہ فطرتی ہوتی تو اس کی درخواست کی کیا ضرورت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وجد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی وجد دوسرے تواجد جو بہ تکلف طاری کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفیوں کو کلام پاک سننے سے تو وجد نہیں مگر شاعروں کے گیت سن کر وجد طاری ہوتا ہے۔ اگر وجد حق ہوتا تو قرآن حکیم سے بدرجۂ اولیٰ ہوا کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو وجد حق ہو چونکہ وہ فرطِ عقیدت اور صدقِ ارادت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے قرآن حکیم سننے

سے بھی شعلہ زن ہوتا ہے۔ رہا وہ وجد جس کا باعث غیر اللہ کی محبت ہو تو وہ قرآن سننے سے طاری نہیں ہوتا۔ قرآن سے وجد طاری ہونے پر خود کتاب اللہ شاہد ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ — اللہ کا ذکر اطمینانِ قلب کا موجب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله — اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں

ایک اور جگہ ارشاد ہے

انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم — مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں

قرآن حکیم کی اثر انداز فصاحت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله — اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا اور پھٹا ہوا دیکھتا

ان آیات میں دل کی تڑپ اور خشیت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے وہ وجد ہی تو ہے۔ مگر یہ وجد احوال کی قبیل سے ہے مکاشفات کی قبیل سے نہیں۔ مگر کبھی مکاشفات کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اسی لیے نبی صلعم نے فرمایا

زينوا القرآن باصواتكم۔ — قرآن حکیم کو اپنی حسین آواز سے مزین کرو

اور ابو موسیٰ اشعری کے حق میں فرمایا۔ کہ انھیں آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا فرمایا گیا ہے۔ ایسی حکایات بہت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل کو قرآن سننے سے بھی وجد ہوا اور

۱۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم

یہ جو نبی صلعم نے فرمایا

شَیَّبَتْنِی سُورَةُ هُودٍ[1] مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا

تو یہ بھی وجد کی خبر ہے۔ کیونکہ "شیب" (بڑھاپا) حزن اور خوف سے حاصل ہوتا ہے۔ اور حزن و خوف وجد میں داخل ہیں۔

ایک اور روایت ہے کہ

ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرأ علیہ سورة النساء فلما انتہی الیٰ قولہ تعالیٰ۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ قال صلعم حسبک وکانت عیناہ تذرفان بالدموع[2]

ابن مسعود نے نبی صلعم کے سامنے سورۂ نساء پڑھی جب اس آیت پر پہنچے "اور اس وقت کیا ہوگا جب ہر امت پر گواہ لائے جائیں گے اور تجھے اس امت پر گواہ لایا جائے گا"۔ تو نبی صلعم نے فرمایا "بس کافی ہے"، اور آپؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے آپؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی

اِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا۔[3]

البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر، گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب

پس آپؐ بے ہوش ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلعم اس آیت کو پڑھ کر روئے[4]

۱۔ اس روایت کو حاکم نے، ابن عباس کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ اور ترمذی نے ابی جحیفہ کے واسطہ سے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ روایت حسن ہے اور حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا۔

۲۔ متفق علیہ

۳۔ روایت مرسل ہے۔ ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے الشعب میں نقل کی ہے۔

۴۔ مسلم بروایت عبداللہ بن عمر

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ — اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں

آپؐ کا طریقہ تھا کہ آیتِ رحمت کی تلاوت پر رحمت کی دعا مانگتے اور رحمت کی دعا مانگنا بھی وجد ہے۔ قرآن پر وجد کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی ہے

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ — اور جب وہ آیات سنتے ہیں جو رسولؐ پر نازل ہوتی
تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا — ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے دیکھتا ہے یہ
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ — اس لیے کہ انھوں نے حق پہچان لیا۔

روایت ہے کہ نبی صلعم نماز پڑھتے اور آپؐ کا سینہ ہانڈی[1] کی طرح جوش مارتا تھا۔ صحابہ اور تابعین نے قرآن کریم کی آیات پر وجد کیا ہے اور یہ ذکر بہت سی روایات میں ہے۔ بعض نے آیات سنیں اور پچھاڑ کھا کر گرے۔ بعض کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ بعض پر غشی طاری ہوئی اور وہ اسی حالت میں مر گئے۔ روایت ہے کہ مشہور تابعی زرارہ بن اوفی نے نماز میں جب یہ آیت پڑھی

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ — پس یہ قیامت کا دن سختی اور تنگی کا دن ہوگا

تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہیں دم توڑ دیا۔

فاروق اعظمؓ نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ — بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے
دَافِعٍ — اور کوئی اسے دفع کرنے والا نہیں۔

تو چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ مکان پر اٹھا لائے۔ آپ مہینہ بھر بیمار رہے۔

ابوجریر تابعی کے سامنے صالح مری نے قرآن کی کوئی آیت پڑھی تو وہ چیخ مار کر گرے اور فوت ہو گئے۔ امام شافعی نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا

هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ — یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہ کریں گے اور نہ انھیں اجازت

۱۔ اخرجہ ابوداؤد والنسائی والترمذی فی شمائل

فَيَعْتَذِرُوْنَ ۔ دی جائے گی کہ عذر پیش کریں

توغش آگیا۔

علی بن فضیل نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ جس روز انسان پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے

توغش آگیا اور زبان پر یہ فقرہ تھا "شکر ہے تجھے وہی ملے گا جو اللہ نے تجھ سے معلوم کرلیا ہے"۔

صوفیاء سے بھی اسی طرح کی حکایات منقول ہیں۔ شبلیؒ رمضان کی شب میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ امام نے یہ آیت پڑھی

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ۔ اگر ہم چاہیں تو وہ چیز لے جائیں جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔

تو انھوں نے ایسی چیخ ماری کہ لوگوں نے سمجھا ان کی روح نکل گئی۔ رنگ زرد ہوگیا۔ شانے تھرتھرانے لگے اور ہونٹوں پر یہ فقرہ جاری ہوگیا۔ "دوستوں کو یونہی خطاب کیا جاتا ہے"۔

جنید بغدادی سری سقطی کے پاس گئے۔ کہتے ہیں "میں نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بے ہوش پڑا ہے۔ سری سقطی نے فرمایا اسے قرآن کی ایک آیت سے غش آگیا۔ میں نے کہا اس پر دوبارہ وہی آیت پڑھو۔ جب وہ آیت پڑھی گئی تو ہوش میں آگیا۔ سری سقطی نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا یعقوبؑ کی بینائی مخلوق کی محبت میں ختم ہوئی اور مخلوق ہی سے ملی۔ اگر مخلوق سے ختم نہ ہوئی ہوتی، حق کی وجہ سے ختم ہوئی ہوتی تو مخلوق سے نہ ملتی" سری سقطی نے اس جواب کو بہت پسند کیا۔

شاعر نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے

وکاس شربت علی لذۃ ۔ واخری تداویت منھا بہا

(شراب کا پہلا دور خمار کی وجہ سے تھا اور اسی کے لیے میں نے ساغر پئے اور اب دوسرے دور میں ساغر اس لیے پی رہا ہوں کہ خمار دور ہو)

کسی صوفی کا قول ہے میں ایک رات یہ آیت پڑھ رہا تھا

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

میں نے اسے بار بار پڑھنا شروع کیا تو غیب سے آواز آئی کہ "تو کب تک اسے پڑھتا رہے گا۔ کئی ایسے جن مر گئے جنھوں نے ولادت کے دن سے لے کر آج تک آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا تھا"۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ بلاشبہ بعض اوقات تلاوت سے بعض لوگوں کے دل پر وجد طاری ہوا لیکن آخر سماع کی محفل میں قوال کیوں بلائے جاتے ہیں قاری کیوں نہیں آتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں سب آیات سننے والے کے مناسب حال نہیں ہیں اور نہ ہی انھیں ہر آدمی اپنے حال کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ مثلاً وراثت، طلاق اور حدود وغیرہ تو انھیں کیسے اپنی واردات قلبی کے مطابق ڈھال سکتے ہو۔ اگر کوئی آدمی بدقت تمام ایسی کوشش کرتا بھی ہے تو ایسا آدمی لاکھوں میں سے ایک ہوگا۔ اس کے برعکس اشعار ایسے ہیں کہ انھیں ہر محبوب پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ویسے وجد طاری بھی اسی شخص پر ہوتا ہے جس پر حالت مستغرقہ غالب ہو۔ دوسرے جسے فطانت جیدہ اور ذکاء کامل حاصل ہو۔ کچھ اثر کہنے والے کا بھی ہوتا ہے۔ ابوالحسین نوری کسی دعوت میں شریک تھے۔ محفل میں علمی تذکرہ ہونے لگا تو سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اچانک سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھے

رب ورقاء ھتوف فی الضحیٰ — ذات شجو صدحت فی فنن

ذکرت الفا ودھرا صالحا — فبکت حزنا فھاجت حزنی

فبکائی ربما ارقھا — وبکاھا ربما ارقنی

ولقد تشکو فما افھمھا — ولقد اشکو فما تفھمنی

غیرانی بالجوی اعرفھا — وھی ایضا بالجوی تعرفنی

دوپہر کے وقت اداس فاختہ شاخوں پر بیٹھی کوکو کی فریاد سے اپنا دل فگار کر رہی تھی۔ وہ موسم بہار کے بھلے زمانے کو اور اپنی کھوئی محبت کو یاد کر کے روئی اور اس کی فریاد نے مجھے بھی رلا دیا۔ اب یہ حال ہے کہ کبھی میں اسے اپنی فریاد سے جگاتا ہوں اور کبھی وہ مجھے اپنے نالوں سے بیدار کرتی ہے۔ میں اپنی فریاد اسے

بجھا نہیں سکتا اور اس کے نالۂ درد انگیز کے مفہوم سے میں بھی واقف نہیں۔ تاہم دل کی جلن ایسی ہے جس نے ہمیں ایک دوسرے سے متعارف کرادیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے بھی عشق ہے اور وہ جانتی ہے کہ میں بھی عاشق ہوں)

اس پر تمام لوگ وجد کرنے لگے حالانکہ وہ پہلے بھی یہی باتیں کر رہے تھے۔ مگر اُن باتوں سے ان کی طبیعت وجد پر آمادہ نہ ہوئی۔

قرآن پر وجد نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اکثر لوگ روزانہ سنتے اور پڑھتے ہیں حالانکہ اثر اس چیز کا زیادہ ہوتا ہے جسے پہلی مرتبہ سنا جائے۔ ایک ہی چیز کو اگر بار بار سنا جائے تو ہر مرتبہ اس کا اثر ضعیف ہونے لگتا ہے۔ اور تیسری مرتبہ تو گویا رہتا ہی نہیں۔ اسی لیے صدیق اکبرؓ نے جب اعراب کو دیکھا کہ وہ قرآن حکیم پڑھتے ہیں اور روتے ہیں تو فرمایا "ہم بھی کبھی ایسے ہوتے تھے مگر اب ہمارے دل سخت ہو گئے۔" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ معاذ اللہ صدیق اکبرؓ کا دل اجلاف عرب سے بھی زیادہ سخت تھا بلکہ اس کی وجہ محض یہی تھی کہ قرآن سالہا سال سے وہ پڑھتے اور سنتے تھے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے کہ "کُلّ جدِیدٌ لذیذٌ" (ہر نئی بات لذیذ ہوتی ہے)۔ اسی لیے فاروق اعظمؓ نے قصد کیا تھا کہ لوگوں کو کثرت سے کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں اور فرمایا تھا "لوگ اگر اس گھر سے زیادہ ہل مِل گئے تو اس کی وقعت ان کے دلوں میں کم ہو جائے گی۔"

جو شخص حج کو جاتا ہے تو کعبہ پر نظر پڑتے ہی رونے چلانے لگتا ہے۔ یا مسرور ہوتا ہے اور بعض لوگوں کو شدت تاثر سے غش بھی آجاتا ہے۔ اور اگر وہ مہینہ بھر وہاں ٹھہر جائیں تو ان کی حالت پہلے کی سی نہیں رہتی۔ اور جو لوگ وہاں رہتے ہیں وہ حاجیوں کے تاثرات پر حیران ہوتے ہوں گے۔ کیونکہ خود ان پر ایسی کیفیات طاری نہیں ہوتیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کلام کے موزوں ہونے سے اس کا مزہ بدل جاتا ہے اور وہ دل پر جداگانہ اثر کرتا ہے۔ اشعار میں وزن پایا جاتا ہے آیات میں نہیں ہوتا۔ اور وزن تو گویا روح کی سی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر قوال کسی شعر میں زحاف کر دے تو سننے والے کی طبیعت منغص ہو جاتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ شعر کا اثر سُر اور لَے سے ہوتا ہے۔ اور گانے میں مقصور کو بڑھا دیا جاتا ہے، ممدود کو گھٹا دیا جاتا ہے۔ کلمات میں وقف کیا جاتا ہے۔ بعض کو منقطع اور بعض کو موصول کیا جاتا ہے۔ یہ تصرفات شعر میں تو ہو سکتے ہیں مگر قرآن میں جائز نہیں کیونکہ اگر انھیں قرآن میں بھی جائز سمجھا جائے تو معانی پر اثر پڑے گا اور مفہوم مختلف ہو جائے گا۔ اور اگر سادہ طریقہ سے پڑھا جائے گا تو اس میں موسیقی کا اثر پیدا نہ ہو گا۔ موسیقی میں ذاتی حیثیت سے بھی تو ایک اثر ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاروں کے باجوں، نفیری، شاہین اور دوسرے سازوں میں اثر تو بہر حال موجود ہے چاہے کوئی زبان سے اس کا انکار کرتا رہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ نغماتِ موزوں کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ صوتِ بے الفاظ بھی بہر حال انسان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گانے کے ساتھ لکڑی سے گت بجانے اور ڈھولک کے تال سے اثر دوبالا ہو جاتا ہے۔ پس اصل میں گیت کے ساتھ ساز بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور قرآن حکیم کو سازوں پر نہیں پڑھ سکتے۔ سازوں کو لوگ کھیل سمجھتے ہیں اور یہ قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے کہ اس کے ساتھ کھیل کو ملایا جائے۔ اس کے آداب تو یہ ہیں کہ اسے رستوں پر نہ پڑھا جائے۔ نہ جنابت کی حالت میں پڑھا جائے نہ بے وضو پڑھا جائے بلکہ ایسی مجلس میں پڑھا جائے جس میں سکون و سکوت ہو۔ پس قرآن ساز کے ساتھ نہیں پڑھا جا سکتا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ربیع بنت معوذ کے گھر ان کی شادی کے روز تشریف لے گئے اور ان کے پاس کچھ لونڈیاں گا رہی تھیں۔ ایک کہہ رہی تھی:

ع۔ وفینا نبی یعلم ما فی غد[1]

(ہم میں ایسا نبیؐ ہے جسے کل کے معاملات معلوم ہیں)

آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ اور پہلے جو کچھ کہتی تھی وہی کہتی رہ"۔ چونکہ راگ کھیل ہے اور شہادتِ

۱۔ بخاری شریف

نبوت کھیل نہیں اس لیے آپؐ نے راگ کی اجازت دیدی مگر یہ اجازت نہ دی کہ نبوت کی شہادت(۱) کو گایا جائے۔ اسی لیے شادی میں قرآن کی تلاوت کے ساتھ دف بجانا درست نہیں حالانکہ نبی صلعم نے دف بجانے کا باقاعدہ حکم دیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا

"اظہروا النکاح ولو بضرب الغربال" نکاح کو ظاہر کرو چاہے چھلنی بجا کر ہی

چھٹی وجہ یہ ہے(۲) "کہ قوال محفل میں کوئی ایسی نظم نہیں گا سکتا جو محفل کے حال کے مطابق نہ ہو اُسے خیال ہوتا ہے کہ وہ برمحل نظم گائے۔ قرآن اگرچہ تمام کا تمام شفا ہے مگر ہر ایک کے حال کے مطابق نہیں ہو سکتا"۔ مثلاً رحمت کی آیتیں خائف کے حق میں شفا ہیں اور عذاب کی آیتیں بے خوف آدمی کے لیے شفا ہیں۔ اب اگر محفل میں کچھ ایسی آیتیں پڑھی جائیں گی جو کسی کے حال کے موافق نہ ہوں گی تو ممکن ہے اس پر برا اثر پڑے اور اس طرح کہیں وہ کلام الٰہی کو برا جاننے کے خطرہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

مجھے یہی چھ وجوہات سوجھی ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ ساتویں وجہ وہ بھی ہو سکتی ہے جسے ابونصر سراج طوسی نے ذکر کیا ہے۔ وہ صوفیاء کے قرآن نہ سننے اور راگ پر وجد کرنے کا یہ عذر لکھتے ہیں

" قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے چونکہ وہ حق ہے

۱۔ مصنف نے نبی صلعم کی ممانعت کی جو توجیہ پیش کی ہے وہ صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس طرح تو لازم آتا ہے کہ نبی صلعم کی تعریف میں یا ان کی نبوت کی شہادت میں کوئی نظم نہ گائی جائے حالانکہ مصنف پہلے یہ واقعہ نقل کر چکے ہیں کہ حسانؓ بن ثابت آپؐ کی تعریف کی نظمیں ہی پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صلحاء نبی صلعم کی شان میں لکھی ہوئی نظمیں ہی سماع کیا کرتے تھے۔ آج تک نعتیں قوال گاتے ہیں۔ اصل میں ممانعت کی وجہ یہی تھی کہ گیت میں نبی صلعم کے متعلق کہا گیا کہ انھیں کل کے حالات معلوم ہیں۔ قرآن میں ہے۔ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا)

۲۔ یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ نظم بھی ہر ایک کے حال کے مطابق نہیں ہو سکتی

اور غیر مخلوق ہے اس لیے بشریت اس کی تاب نہیں لا سکتی۔ اگر قرآن کے معانی کا ایک ذرہ بھی واضح ہو جائے تو بشریت کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ مگر نغمات کو طبیعتوں سے مناسبت ہے اس لیے کہ وہ بھی مخلوق کی صفات میں سے ہیں اور مخلوق ان کی تاب لا سکتی ہے۔"

ابوالحسن دراج کہتے ہیں "میں نے بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی زیارت کے لیے سفر کیا۔ جب رَے میں پہنچا تو جس سے ان کا حال پوچھا اسی نے کہا " زندیق ہے تجھے اس سے کیا کام؟" میرا دل بہت تنگ ہوا۔ اور واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر سوچا کہ اتنا بڑا سفر کیا ہے اور کچھ نہ ہو تو انھیں دیکھ تو لوں۔ پوچھتا پوچھتا ان کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد کی محراب میں بیٹھے ہیں۔ حسین آدمی ہیں، مقطع داڑھی ہے۔ سامنے ایک شخص بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں قرآن لیے تلاوت کر رہا ہے۔ میں نے سلام کیا تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے کہا بغداد سے آپ کو ملنے آیا ہوں۔ انھوں نے کہا "تم جن شہروں سے ہو کر آئے ہو اگر ان میں کوئی تمھیں کہتا کہ یہیں ٹھہر جاؤ ہم تمھیں مکان اور لونڈی دیدیں گے تو کیا تم ٹھہر جاتے؟" میں نے کہا "اب تک تو اللہ نے اس طرح میرا امتحان نہیں لیا۔ اگر اس طرح امتحان ہوتا تو نہ معلوم میں کیسا ہو جاتا۔" پھر بولے "گا سکتے ہو؟" میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے گانے کی فرمائش کی۔ میں نے یہ اشعار پڑھے

رأیتك تبنی دائماً فی قطیعتی ولو کنت ذا حزمٍ لهدمت ما تبنی

کانی بکم واللیت افضل قولکم الا لیتنا کنا اذا اللیت لا یغنی

(تو ہمیشہ ہجر کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔ اگر تجھے کچھ بھی خیال ہوتا تو ان بنیادوں کو گرا دیتا۔ مجھے تجھ سے کام آپڑا ہے تو اب تیری گفتار میں اچھا لفظ یہی "کاش" رہ گیا ہے کاش مجھے تیرے ساتھ اس وقت پالا پڑا ہوتا جب تجھے "کاش" کی بہانہ جوئی سے سروکار نہ ہوتا)

انھوں نے قرآن بند کر دیا اور اتنا روئے کہ داڑھی اور رومال تر ہو گیا حتیٰ کہ

مجھے بھی اس حال میں اُن پر رحم آگیا۔ پھر فرمایا کے لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں اور کہتے ہیں یوسف زندیق ہے اور میرا یہ حال ہے کہ صبح کی نماز سے قرآن پڑھتا تھا مگر آنکھیں خشک تھیں اور یہ شعر سنے تو مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی "۔

مطلب یہ ہے کہ دل چاہے جس قدر بھی خدا کی محبت میں غرق ہوں نہ سنے ہوئے شعر ان پر ایسا اثر کرتے ہیں جو قرآن کی تلاوت سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجوہات وہی ہیں جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

کہتے ہیں "ایک شخص ذوالنون مصری کے استاد سرافیل کے پاس آیا اور انھیں دیکھا کہ وہ زمین کرید رہے ہیں اور ایک شعر گا رہے ہیں۔ پھر اس سے پوچھا تجھے کوئی اچھا گیت یاد ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو کہا تیرا دل نہیں " اس میں یہ اشارہ تھا کہ دل کو اشعار اور نغمات سے فطری محبت ہوتی ہے۔ اس لیے جسے اشعار یاد نہیں اس کا گویا دل بھی مردہ ہے۔

سماع اور وجد پر بحث ہو چکی اب ہم وجد کے اثرات اور سماع کے آداب بیان کرتے ہیں

فصل سوم ——— موسیقی کے آداب

۱۔ سب سے پہلے وقت اور جگہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ موسیقی تین حالات کو ملحوظ رکھ کر سننی چاہیے۔ وقت، جگہ اور یارانِ محفل۔ وقت کی قید سے یہ مراد ہے کہ کھانا موجود ہونے کے وقت، یا جھگڑنے کے وقت، یا نماز کے وقت یا کسی اور وقت جس میں کوئی چیز حائل ہو موسیقی نہیں سننی چاہیے۔ مکان سے یہ مراد ہے کہ رہگزر اور بری صورت کا مکان نہ ہو۔ نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہو کہ موسیقی کی طرف سے توجہ ہٹ جائے۔ یارانِ محفل سے مراد یہ ہے کہ محفل میں کوئی زاہد خشک اور لطف قلبی سے بے بہرہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کا وجود محفل کو گراں گزرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی متکبر دنیا دار

ہو اتو اس کا پاس بھی کرنا پڑے گا۔ یا کوئی دکھاوے کا صوفی جو بناوٹ کا وجد کرے کیونکہ وہ تمام محفل کی پریشانی کا باعث بنے گا۔

۲۔ شیخ کو مریدوں کا حال دیکھ لینا چاہیے۔ کہیں کوئی ایسا شخص نہ ہو جسے سماع الٹا ضرر پہنچائے۔ ایسے اشخاص کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔ قوال جو کچھ کہے اُسے خوب دل لگا کر سنے۔ اِدھر اُدھر توجہ نہ کرے اور دوسرے سننے والوں کو نہ تاکے۔ جس پر وجد کی کیفیت طاری ہو اُسے نہ دیکھے بلکہ اس کا دھیان موسیقی کی طرف لگا رہے۔ بناوٹ کی کوئی حرکت نہ کرے۔ ہاں اگر وجد غالب ہو تو پھر مجبوری ہے۔ اس کی حالت قابلِ ملامت نہیں۔

۴۔ جب اپنے نفس کو روک نہ سکتا ہو تو کھڑا نہ ہو لیکن اگر ناچے اور رونی صورت بنائے تو مباح ہے۔ بشرطیکہ ریا مقصود نہ ہو۔ کیونکہ رونی صورت بنانے سے حزن پیدا ہوتا ہے اور سرور و نشاط کی تحریک کا نتیجہ رقص ہوتا ہے۔ اگر رقص حرام ہوتا تو نبی صلعم ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے ساتھ حبشیوں کا ناچ نہ دیکھتے۔ چنانچہ بعض روایات میں آپؐ نے وضاحت سے کہہ دیا ہے کہ وہ ناچ رہے تھے۔ سرور کے وقت بعض اکابر صحابہ کا ناچنا بھی مروی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب امیر حمزہؓ کی بیٹی کی پرورش کا معاملہ درپیش ہو تو علی مرتضیٰؓ، جعفرؓ، اور زیدؓ بن حارثہ کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ "میں اس کی پرورش کروں"۔ نبی صلعم نے علیؓ کو فرمایا "تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں" اس پر علیؓ اچھلنے کودنے لگے۔ جعفر سے فرمایا "تو میری سیرت و صورت کے مشابہ ہو گیا"۔ تو وہ بھی اچھلنے کودنے لگے۔ زید سے فرمایا "تو ہمارا بھائی اور مولا ہے" تو وہ جعفرؓ سے زیادہ اچھلے۔ پھر آپؐ نے فرمایا "یہ لڑکی جعفرؓ کے پاس رہے گی کیونکہ اس کی خالہ جعفرؓ کی منکوحہ ہے اور خالہ گویا ماں ہی ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے عائشہ صدیقہؓ سے کہا "تجھے ناچ پسند ہے"۔ اصل میں رقص اور اچھلنا کودنا خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو اس کا حکم بھی خوشی پر ہی

مترتب ہو گا ۔ یعنی اگر خوشی محمود ہو اور ناچ سے اُسے ترقی ہوتی ہو تو ناچ بھی محمود ہو گا ۔ اگر خوشی مباح ہو تو ناچ بھی مباح ہو گا ۔ اور اگر خوشی ناجائز ہو گی تو ناچ بھی ناجائز ہو گا ۔ ہاں یہ امرا اکابر کے شایانِ شان نہیں کیونکہ ہر چیز بہر حال لہو و لعب ہے اور لہو و لعب سے مقتدا لوگوں کو پرہیز کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ ہوں ۔ اور لوگ ان کی اقتداء نہ ترک کریں ۔

رہا کپڑوں کا پھاڑنا تو اس کی بھی اجازت نہیں ۔ ہاں اگر انسان کو اختیار نہ رہا ہو تو وہ الگ بات ہے ۔ کیونکہ جو لوگ ضبط نہ کر سکیں تو وہ تڑپنے اور کپڑے پھاڑنے میں اپنے بچاؤ کی صورت دیکھتے ہیں ۔ جیسے بیمار مجبوری سے آہ کرتا ہے ۔ اور اگر کوئی اسے بزور روکنے کی کوشش کرے تو وہ صبر نہ کر سکے گا ۔ باوجودیکہ فعل اختیاری ہے ۔ اسی طرح اگر کسی کو کہا جائے کہ وہ ایک ساعت سانس نہ لے تو وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا ۔ یہی حال چیخنے اور کپڑے پھاڑنے کا ہے ۔ ہم اسے حرام نہیں کہہ سکتے ۔ سری کے سامنے وجد کا ذکر ہوا تو کہنے لگے ہاں وجد غالب ہوتا ہے کہ اگر وجد والے کے منہ پر تلوار لگے تو بھی اسے خبر نہ ہو " لوگوں نے دوبارہ پوچھا اور بہت اصرار سے پوچھا مگر پھر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا ۔

۵ ۔ پانچویں بات یہ ہے کہ ہر حال میں یارانِ محفل کی موافقت کرنی چاہیے ۔ یعنی اگر لوگ کھڑے ہو جائیں تو تمام کو کھڑا ہو جانا چاہیے ۔ اگر وہ پگڑیاں اتار دیں تو بھی تمام کو پگڑیاں اتار دینی چاہئیں ۔

بعض لوگ اسے بدعت کہتے ہیں ۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ یہ چیز صحابہ کے زمانہ میں موجود نہ تھی اس لیے بدعت ہے ۔ لیکن یہ اعتراض محض غلط ہے ۔ کیونکہ مباح کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صحابہ سے منقول ہو ۔ ممنوع وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو ۔ جس کے کرنے کا شارع علیہ السلام نے حکم دیا ۔ اور اس امر میں کسی قسم کی مخالفت منقول نہیں ۔ آنے والے

کے لیے کھڑا ہونا اہل عرب کا دستور نہ تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ بھی بعض اوقات نبی صلعم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ جیساکہ انس کی روایت ہے۔ مگر چونکہ اس میں کوئی نہی عام ثابت نہیں ہوتی۔ پس جن شہروں میں آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے کا رواج ہے وہاں کھڑا ہو جانا، ناجائز نہیں۔ پس جس موافقت میں دوسروں کا دل خوش ہوتا ہو اسے کرنے میں کیا مضائقہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ موافقت شریعت کے برخلاف نہ ہو۔ ہاں مگر اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ اگر رقص نہ کر سکتا ہو تو بغیر وجد کے لوگوں کے ساتھ ناچنے کو نہ اٹھے۔ تاکہ اسے اہل محفل ناپسند نہ کریں۔ کیونکہ اہل محفل اگر صاحب دل ہوتے ہیں تو ان کے دل روشنی کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ وجد صحیح کی کیا تعریف ہے تو انھوں نے فرمایا" وجد صحیح یہ ہے کہ اہل وجد اسے تسلیم کریں۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ طبیعتیں رقص سے نفرت کرتی ہیں اس لیے رقص دین کے مخالف ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو کتنا ہی پاکباز کیوں نہ سمجھتا رہے بہرحال وہ رسول خدا صلعم سے زہد و تقدس میں زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور نبی صلعم نے مسجد میں حبشیوں کا ناچ دیکھا اور انکار نہ فرمایا۔ کیونکہ دن بھی عید کا تھا اور لوگ بھی ناچ سے الفت رکھنے والے تھے۔ رقص کرنے سے طبائع اس لیے متنفر ہوتی ہیں کہ یہ لہو ولعب ہے اور یہ چیز منصب والوں کے شایانِ شان نہیں۔ اور جو چیز منصب کے لائق نہ ہو اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً اگر کوئی سائل کسی سے کچھ مانگے اور وہ اسے ایک روٹی دیدے تو یہ دینا عمدہ طاعت ہے۔ اور اگر کوئی بادشاہ سے سوال کرے اور وہ اسے ایک روٹی دیدے تو لوگ اُسے بڑا سمجھیں گے اور تاریخوں میں لکھا جائے گا کہ بادشاہ کی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی تھی۔ اور اس کا یہ فعل اس کی اولاد کے لیے باعث عار سمجھا جائے گا۔ مگر اس نفرت عامہ کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتے کہ بادشاہ کی یہ حرکت حرام تھی۔ نفرت محض اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ اس نے عطا کیا وہ اس کی شان کے شایان نہ تھا۔ اسی

طرح رقص اور دوسرے مباحات کا حال ہے کہ وہ عوام کے حق میں مباح ہیں اور خواص کے حق میں برائی۔ لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ اسے بلحاظ منصب دیکھیں ورنہ بغیر منصب دیکھے حکم صادر کیا جائے تو یہی کہیں گے کہ بذاتِ خود اس میں کوئی حرمت نہیں۔ واللہ اعلم۔

گزشتہ تفاصیل و توضیحات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ موسیقی چار قسم کی ہے۔ حرام، مکروہ، مباح، مستحب۔ حرام ان لوگوں کے لیے جن پر شہوت غالب ہو اور موسیقی ان میں حیوانیت کے جذبات ہی مشتعل کرتی ہو۔ مکروہ ان لوگوں کے لیے جو اسے ہر وقت کا شغل بنا لیتے ہیں۔ مباح ان لوگوں کے لیے جن کو موسیقی سے لطف ملتا ہو اور وہ اسے بحیثیت فن سنتے ہوں۔ اس کے علاوہ انھیں موسیقی سے کسی قسم کی تحریک نہ ہوتی ہو۔ مستحب ان لوگوں کے حق میں جن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور موسیقی ان میں صفاتِ محمودہ کے سوا اور کسی چیز کو تحریک نہ کرے۔